جون ۹۹

مُحدِّث

227

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
LAHORE - PAKISTAN

مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدِّث** لاہور

جلد ۳۱ عدد ۶
صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
جون ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین

فکر و نظر
مسئلہ رؤیتِ ہلال اور رؤیتِ ہلال کمیٹی کا! ...... اداریہ ۲

دارُ الإفتاء
بعض اولاد کو ہبہ کرنا، قبرستان کا انہدام ...... حافظ ثناء اللہ مدنی ۶

عہد ساز شخصیت
شیخ ابن بازؒ، علم وعمل کے آفتاب کا غروب! حافظ صلاح الدین یوسف ۱۱
شیخ ابن بازؒ، مختصر سوانح اور علمی خدمات ادارۂ محدث ۱۷
شیخ ابن بازؒ، ممتاز فقیہ اور محدث دوراں عبدالمالک مجاہد ۲۳

اسلامی معاشرت
نکاح میں والدین کا کردار ...... حافظ حسن مدنی ۳۱

فتنۂ مغربیت
غیرت کا قتل: قانونی و اسلامی نقطہ نظر محمد عطاء اللہ صدیقی ۴۷

مقدمۂ سود
حافظ عبد الرحمٰن مدنی کے وضاحتی بیانات ادارۂ محدث ۶۰

مدیر اعلیٰ
حافظ عبد الرحمٰن مدنی

مدیر معاون
حافظ حسن مدنی

زرِ سالانہ 150 روپے
فی شمارہ 15 روپے

99 J, Model Town
Lahore - 547..

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani   Printer: Zahid Bashir Printers, Lahore.

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Ph: 5866476, 5866396, 8528...
Email: wtrust@paknet1.ptc.pk

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

مسئلہ رؤیتِ ہلال اور رؤیتِ ہلال کمیٹی کا

[وزارتِ مذہبی امور کی نئی تجاویز کا ایک جائزہ]

ایک عرصے سے پاکستان میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ آئے دن اس سلسلے میں نئی تجاویز سامنے آتی ہیں اور بحث کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور اس کے لیے جو ضروری باتیں تھیں، وہ شریعت نے ہمیں بتادی ہیں۔ مثلاً یہ کہ :

(۱) ہلال کا دیکھا جانا ضروری ہے، یعنی اس کے لیے رؤیتِ بصری ضروری ہے، محض سائنسی آلات سے اس کے وجود و عدم وجود کا علم کافی نہیں۔

(۲) ایک جماعت کا دیکھنا ضروری نہیں، ایک یا دو یا چند افراد کا دیکھ لینا کافی ہے، اگر دیکھنے کی گواہی دینے والے معتبر ہوں تو ان کی رؤیت پورے ملک کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔

(۳) عیدین یا رمضان یا حج، جن کی بنیاد رؤیتِ ہلال پر ہے، ان کی حیثیت ملکی تہواروں یا جشنوں کی نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ سب ملت اسلامیہ کے شعائر ہونے کے ناطے عبادات میں شامل ہیں۔ اس لیے ان میں وحدت (یعنی پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن ان کا آغاز ہو) مطلوب نہیں ہے، بلکہ ان میں اصل چیز اخلاص اور خشوع و خضوع ہے۔ اور اس کے لیے ہر جگہ علاقائی اجتماعات کافی ہیں جو مسلمانوں کی شان و شوکت کا مظہر ہوں، عالمی وحدت قطعاً ضروری نہیں (جیسا کہ ہم محدث، مارچ ۹۹ء کے "فکر و نظر" میں اس نکتے کی وضاحت کر چکے ہیں)

(۴) اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے اور اسے نظر انداز کر کے پورے عالم اسلام میں ایک ہی قمری تاریخ کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ (اس کی بھی وضاحت مارچ اور اپریل کے "محدث" میں کی جا چکی ہے۔)

نئی نئی تجاویز پیش کرنے والے حضرات مذکورہ ثابت شدہ اور متفق علیہ اُمور کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا ان کی تجاویز سے یہ نظر انداز ہو جاتے ہیں، اس لیے ان کی تجاویز علمی اور دینی حلقوں میں بجا طور پر پذیرائی سے محروم رہتی ہیں۔ اور یہ ایک نہایت مستحسن اَمر ہے کہ عملی انحطاط کے باوجود

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کا ضمیر کسی ایسی تجویز کو قبول نہیں کرتا جس میں شرعی اُصول و قواعد سے انحراف پایا جاتا ہو۔

مارچ کے "محدث" میں ایک ایسی ہی تجویز پر ہم اظہارِ خیال کر چکے ہیں جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ اور اب وفاقی وزارتِ مذہبی اُمور کی طرف سے بعض نئی تجاویز سامنے آئی ہیں۔ ان تجاویز کا تعلق مسئلہ رؤیتِ ہلال سے بھی ہے اور رؤیتِ ہلال کے لیے جو رؤیتِ ہلال کمیٹی بنی ہوئی ہے، اس سے بھی ہے..... ان تجاویز کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا وجود ختم کر دیا جائے (اس کے ماتحت علاقائی کمیٹیاں از خود ختم ہو جائیں گی) اور یہ معاملہ خود وزارتِ مذہبی اُمور سنبھال لے اور وہی علماء کے فیصلے کے بغیر رؤیت اور عدمِ رؤیت کا اعلان کرے۔ البتہ ایک اطلاعاتی مرکز قائم کیا جائے جس میں تمام جدید سائنسی آلات اور سہولیات موجود ہوں۔ وزارت مذہبی اُمور اس کی مدد سے چاند کے دیکھنے اور اس کا فیصلہ کرنے کا اہتمام کرے۔

(۲) سعودی عرب کو حرمین مقدسین کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں عزت و احترام کا ایک خاص مقام حاصل ہے، پاکستان میں اس کی رؤیت اور فیصلہ کو بنیاد بنا لیا جائے اور اس کے مطابق ہی یہاں رمضان کے آغاز کا اور عیدین منانے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اتحادِ اُمت کی اچھی مثال بھی بن سکتی ہے

(۳) یا پھر اُن علماء میں سے کسی ایک ممتاز عالم دین کو رؤیتِ ہلال کمیٹی کی سربراہی سونپ دی جائے، جو ہر سال مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے سے اختلاف کرتے اور اُسے نظر انداز کر کے اپنے طور پر سعودی عرب کی تقلید میں عیدین منانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

ہمارے خیال میں وزارت مذہبی اُمور کی تینوں ہی تجویزیں نہ صرف درست نہیں بلکہ کوئی ایک تجویز قابل عمل بھی نہیں !!

جہاں تک پہلی تجویز کا تعلق ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلے سے علمائے کرام کا تعلق ختم کر دیا جائے اور یہ معاملہ کلیتاً حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے۔ لیکن اس سے مسئلہ سلجھے گا نہیں، مزید اُلجھے گا۔ اس لیے کہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے جس میں رہنمائی کے لیے عوام دینی رہنماؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کریں گے کیونکہ وہ شرعی مسئلے میں حکومت پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں۔

خود مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کا پس منظر بھی یہی ہے کہ ایوب خاں کے دور میں ایک دو مرتبہ حکومت نے اپنے اعلان کے مطابق عید منوانے کی کوشش کی جو بری طرح ناکام ہوئی اور عوام نے علماء کی رائے پر ہی مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اس تجربے کی روشنی میں بالآخر حکومت نے رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم کی اور یہ معاملہ کلیتاً اس کمیٹی کے ذریعے سے علماء کے سپرد کر دیا۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد یہ معاملہ نہایت خوش اسلوبی سے چل رہا ہے۔ کمیٹی کے فیصلے میں بعض دفعہ تاخیر ہو جاتی ہے یا اس کا فیصلہ ہدفِ تنقید بنتا ہے، تو اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ یا تو حکومت کے ناقص انتظامات تاخیر کا سبب بنتے ہیں یا ناقص اطلاعات اس کا باعث ہیں۔ اصل ضرورت اُن وجوہات کا خاتمہ ہے جن سے تاخیر ہوتی ہے یا اگر فیصلہ ہدفِ تنقید بنتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کا وجود ہی تحلیل کر دینا چاہئے جس کا کوئی قصور نہیں، کیونکہ کمیٹی کا کام صرف چاند دیکھنا نہیں ہے، بلکہ "چاند دیکھے جانے یا نہ دیکھے جانے کا فیصلہ کرنا ہے۔" اور کمیٹی اپنا یہ کام یعنی رؤیت کا فیصلہ کرنے میں دستیاب وسائل کی حد تک اپنی ممکنہ مساعی بروئے کار لاتی ہے، اس میں بالعموم کوتاہی نہیں کرتی۔ اس تاخیر کے خاتمے یا غلط فیصلے کے ازالے کے لیے ہم نے اپریل ۱۹۹۹ء کے اداریہ شذرے میں حکومت کے سامنے چند تجاویز پیش کی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اس کی روشنی میں ضروری اقدامات بروئے کار لائے، تاکہ کمیٹی کی راہ میں جو مشکلات ہیں، وہ دور ہوں اور اس کی کارکردگی کو مزید بہتر بنایا جاسکے۔

علامہ قرافیؒ نے رؤیتِ ہلال کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور یہ بحث ان کی مشہور تصنیف الفُرُوق کے صفحہ ۸ تا ۱۵ میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ رؤیتِ ہلال کے دو پہلو ہیں: ایک خبر کا اور دوسرا شہادت کا، اس اعتبار سے اس میں قضاء (فیصلہ) کا پہلو نمایاں ہے۔

خبر کی حد تک، تمام انتظامات کی ذمے دار حکومت ہے (ان میں جو کمی اور کوتاہی ہے، اس کے لیے ہم محولہ بالا شمارے میں تجاویز پیش کر چکے ہیں۔ حکومت اس کا اہتمام کرے) کہ ہر ممکنہ طریقے سے، سائنسی آلات وغیرہ کی مدد لے کر یا عوام میں شعور اور رؤیت کا اہتمام پیدا کر کے کمیٹی کو چاند کے بارے میں تمام خبریں بروقت پہنچائی جائیں۔

جہاں تک شہادت کا معاملہ ہے، اس کی جانچ پرکھ کا کام علماء کا ہے، وہی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں کہ رؤیتِ ہلال کی جو شہادتیں میسر آئی ہیں، وہ کس حد تک قابل قبول یا قابل رد ہیں اور آیا ان کی بنیاد پر رؤیت کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط؟..... حکومت کا کوئی انتظامی ادارہ شہادتوں کی جانچ پڑتال کا اہل نہیں۔ کیونکہ اس میں حکومت کی سیاسی مصلحتیں اور مفادات درمیان میں آسکتے ہیں جو اس سارے کام کو مشکوک بنا دیں گے اور اسی وجہ سے عوام ان معاملات میں حکومت کے فیصلوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ جب کہ علماء کے سامنے اس قسم کے کوئی مفادات نہیں ہوتے، وہ تو صرف لوجہ اللہ عوام کی دینی رہنمائی کا فرضِ منصبی ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بنابریں رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ختم کرنے کی تجویز، غیر معقول اور ایک بنے بنائے نظم کو بگاڑنے کی مذموم سعی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کمیٹی کو زیادہ مؤثر اور قابل اعتماد بنایا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں علماء کو صرف میرٹ کی بنیاد پر شامل کیا جائے یعنی ان علماء کو کمیٹی کا ممبر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنایا جائے جو مستند عالم اور عوام کے معتمد ہوں۔ محض سیاسی رشوت کے طور پر حکومت کی حلیف مذہبی جماعتوں کے نمائندوں اور ان کے تجویز کردہ علماء کو ہی شامل نہ کیا جائے (جیسا کہ عام طور پر معمول ہے) بلکہ حکومت کی حمایت یا مخالفت سے قطع نظر اہل تر افراد کو نامزد کیا جائے۔

(۲) سعودی عرب، بلاشبہ حرمین شریفین کے خادم ہونے اور دیگر بہت سی امتیازی خصوصیات کا حامل ہونے کی وجہ سے نہایت قابل احترام ہے، لیکن پاکستان اور سعودی عرب کے مطلع میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس لیے سعودی عرب کی رؤیت کو پاکستان کے لیے بھی قابل اعتبار گردانا شرعی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہوگا۔ شرعی نصوص کا تقاضا اور اکثر علماء کا فیصلہ یہی ہے کہ ایک علاقے کی رؤیت دوسرے علاقوں کے لیے کافی نہیں ہے الا یہ کہ مطلع کا زیادہ فرق نہ ہو۔ اس اعتبار سے سعودی عرب کے فیصلے کو پاکستان کے لیے بھی لازمی قرار دینا شرعی نصوص کے خلاف ہوگا۔ نیز پاکستان سعودی عرب کے انتظامی کنٹرول میں نہیں ہے۔ سعودی فیصلہ کا دائرہ کار صرف سعودی عرب کی حدود ہیں۔ کیا عیدین کے علاوہ محرم الحرام اور عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں بھی عوام سعودی حکومت کے فیصلے پر مطمئن ہو جائیں گے؟ ..... گویا یہ تجویز بھی ناقابل عمل ہے۔

(۳) وزارتِ مذہبی امور کی تیسری تجویز کی نوعیت بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی صاحب کہیں کہ اپوزیشن لیڈر کو ہی وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز کر دیا جائے، تاکہ سیاست دانوں کی کل کل ختم ہو جائے۔ اگر قائد حزب اختلاف کی ہنگامہ آرائیوں اور تنقیدی بیانات کا یہ علاج صحیح ہے، پھر تو وزارتِ مذہبی اُمور کی یہ تجویز درست ہے کہ اختلاف کرنے والے علماء میں سے کسی عالم کو ہی مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا چیئرمین بنا دیا جائے، تاکہ وہ زیادہ ذمے داری کا مظاہرہ کرے۔ اگر وزارتِ مذہبی اُمور نے واقعی پوری سنجیدگی سے یہ تجویز پیش کی ہے تو اس کا تجربہ سب سے پہلے ایوانِ اقتدار میں کیا جانا چاہئے، تاکہ اقتدار کی یہ رسہ کشی ختم ہو جائے جس نے ملک کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ وہاں یہ تجربہ کامیاب ہو گیا، تو پھر یقیناً اسے رؤیتِ ہلال کمیٹی کے لیے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے....

(حافظ صلاح الدین یوسف)

﴿ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴾

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی

- زندگی میں صرف بعض اولاد کو ہبہ کرنا؟
- مسلم قبرستان کو منہدم کرکے وہاں کھیتی باڑی کرنا؟
- طلاقِ رجعی کی صورت میں علیحدگی کے بعد دوبارہ نکاح کا حکم؟
- وسیلہ کے مسائل
- مسئلہ وراثت اور اس کا حل

☆ اگر میاں بیوی زندہ اور صاحبِ حیثیت (صاحبِ نساب) ہیں۔اُن کی اولاد میں ۳ بیٹے اور ایک بیٹی ہیں (وہ بھی سبھی شادی شدہ اور صاحبِ نصاب ہیں)۔ میاں بیوی اپنی جائداد اور دیگر مالی اثاثہ جات میں بیٹی کے حصہ کا تعین کس طرح کریں۔ مزید یہ کہ میاں نے اپنی بیوی کے نام پر کافی جائداد اور زرعی زمین خرید رکھی ہے۔اس جائداد میں میاں اور بیوی اپنی بیٹی کو اس کا حصہ کس طریقہ سے دیں؟

جواب: واضح رہنا چاہئے کہ جائداد کی بطورِ وراثت تقسیم، انسان کی وفات کے بعد ہوتی ہے زندگی میں نہیں۔ ہاں البتہ آدمی زندگی میں بطورِ ہبہ اپنی اولاد کو جو چاہے دے سکتا ہے، لیکن اس صورت میں راجح مسلک کے مطابق، لڑکے اور لڑکی میں برابری ضروری ہے۔

چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں: جب میرے والد نے مجھے ایک غلام ہبہ کرکے رسول ﷺ کو اس پر گواہ بنانا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ہبہ سے رجوع کرو'' اور دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے پوچھا: کیا تو نے اپنی باقی اولاد کو بھی اس کے مثل ہبہ کیا ہے؟ کہا: نہیں، تو فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اولاد میں عدل کرو'' ...... حدیث کے الفاظ ''اس کے مثل ہبہ کیا ہے یا اس کے مثل دیا ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں ذکور و اناث میں فرق نہیں۔ کیونکہ اولاد کا لفظ لڑکے اور لڑکیوں، دونوں کو شامل ہے اور بعض روایات میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

> ''کیا تجھے یہ بات خوش کرتی ہے کہ تیری اولاد تیرے ساتھ برابر نیکی کرے؟ کہا: ہاں، فرمایا: پس میں اس ہبہ پر شہادت نہیں دے سکتا۔''

اس واقعہ نبویؐ سے معلوم ہوا کہ والدین کا صرف لڑکی کو بطور ہبہ کوئی شے دینا اور لڑکوں کو محروم کردینا یا اس کے برعکس کرنا غیر درست فعل ہے۔ سب اولاد کے ساتھ برابر سلوک ہونا چاہیے بعض کے صاحبِ حیثیت ہونے سے مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم اگر کوئی ٹھوس سبب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا پیدا ہو جائے جس سے صرف بعض اولاد کو عطیہ دینا پڑ جائے تو اس صورت میں بعض کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً کوئی دائم المرض ہو، مقروض ہو تو اس صورت میں ان کو خصوصی ہبہ کیا جا سکتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (شرح صحیح بخاری) میں اس امر کی تصریح کی ہے۔

☆ کیا شادی شدہ بھائی بھی اپنی جائداد اور مالی اثاثہ جات میں سے اپنی اکلوتی بہن کو حصہ دینگے؟

جواب: اس صورت میں بہن کے بھائی شرعاً، اس کو حصہ دینے کے پابند نہیں۔ یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے، اگر وہ کچھ دینا چاہیں تو حسبِ منشا دے سکتے ہیں۔

☆ قبرستان کو مسمار کر کے اس جگہ پر کھیتی باڑی کرنے، پھل کے درخت لگانے، مکان بنانے کا کیا حکم ہے۔ اسی طرح کھیت کی آمدنی کھانا اور اس مکان میں قرآن پڑھنے یا نماز پڑھنے کی قرآن وحدیث کی رو سے کیا شرعی حیثیت ہے؟

جواب: مسلمانوں کے قبرستان کو مسمار کر کے اس کی جگہ کھیتی باڑی یا پھل وغیرہ کے درخت لگانا یا مکان تعمیر کرنا، ناجائز ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی توہین ہے اور یہ اکرامِ مسلم کے منافی فعل ہے ہاں البتہ مشرکین کی قبروں کو اُکھاڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ سے باب کا عنوان قائم کیا ہے: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويُتَّخَذ مكانها مساجد؟ جس سے مقصود یہ ہے کہ "مشرکوں کی قبروں کو مسمار کر کے وہاں مسجدیں تعمیر کرنا جائز ہے۔"

پھر آپؒ نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے جس میں مسجدِ نبوی ﷺ کو مشرکوں کی قبروں کی جگہ بنایا گیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: أي دون غيرها من قبور الانبياء وأتباعهم لما في ذلك من الإهانة لهم بخلاف المشركين فإنهم لا حرمةَ لهم (ج۱، ص۵۲۴) یعنی

"مشرکوں کی قبروں کو مسمار کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان کی کوئی عزت نہیں لیکن انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی قبروں کو مسمار کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں ان کی توہین کا پہلو ہے۔"

فقہ حنفی میں ہے کہ: سئل القاضي الإمام شمس الائمة محمد الاوزجندي عن المقبرة في القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتىٰ لا العظم ولاغيره هل يجوز زرعها قابل واستغلالها قال: لا ولها حكم المقبرة كذا في المحيط فلو كان فيها حشيش يحش ويرسل الدواب فيها كذا في البحر الرائق (عالمگیری)

حاصل اس کا یہ ہے کہ "بوسیدہ قبرستان پر بھی کاشت وغیرہ نہ کی جائے۔ بلکہ ایسی جگہ کو اپنی اصلی حالت میں ہی بدل دیا جائے اور اگر کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو سکے تو پھر اس کی آمدنی اوقاف میں صرف کر دی جائے۔"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ کسی انسان کی وفات کے تقریباً ایک ہفتہ بعد گھر والے، اہل محلّہ اور گاؤں کے عام لوگوں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں..... قرآن وحدیث میں اس کا کیا حکم ہے؟ (محمود الحسن سلیم، سکردو)

جواب: کھانے کی ایسی مجالس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہ طریق کار سنت نبویؐ سے ثابت نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ"

یعنی "جو دین میں اضافہ کرے وہ اضافہ مردود (ناقابل قبول) ہے۔"

یاد رہے کہ سوئم، دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی وغیرہ سب بدعات کے زمرے میں شامل ہیں۔ شرح المنهاج للنوویؒ اور حنفی فقہ کی کتابوں میں ہے "اتخاذ الطعام في اليوم الثالث والسادس والعاشر والعشرين وغيرها بدعة مستقبحة

یعنی "تیسرے، چھٹے، دسویں اور بیسویں وغیرہ دنوں میں کھانا کھلانا قبیح بدعات ہیں۔"

☆ طلاقِ رجعی کی صورت میں علیحدگی کے بعد دوبارہ نکاح کا حکم اور طریقہ کیا ہے؟ (ڈاکٹر خالد غوری)

جواب: سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوبارہ نکاح، طلاقِ رجعی کے اثنا میں (یعنی ایک یا دو طلاق کے بعد) پڑھا گیا ہے لہٰذا یہ نکاح درست ہے، صحیح بخاری کے باب مَن قال" لا نكاح الا بولي " کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت معقلؓ بن یسار کی ہمشیرہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اُن کے شوہر نے طلاقِ رجعی کے بعد رجوع کرنا چاہا تو معقلؓ رکاوٹ بن گئے۔ اس پر اللہ نے قرآن کی آیت ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ.....﴾ نازل ہوئی۔ معقلؓ نے اللہ کے فرمان کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور دوبارہ اپنی ہمشیرہ کا نکاح کر دیا۔ یہ واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں زوجین دوبارہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔☆

☆ سوال: کیا نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے؟ جیسے تمام لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے واسطہ یا وسیلہ ہیں جس طرح آدم علیہ السلام کا وسیلہ بنے تھے جیسا کہ "فضائل اعمال" میں لکھا ہے کہ

☆ اس آیت اور واقعہ سے بعض لوگ نکاح میں عورت کے لئے ولی کی رضامندی کی عدم ضرورت پر بھی دلیل لیتے ہیں جبکہ امام بخاریؒ اسی واقعے اور آیت کریمہ کو نکاح میں ولی کی ضرورت پر دلیل بنا رہے ہیں۔ استدلال بالکل واضح ہے کہ اگر نکاح میں ولی کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ سیدھے سبھاؤ عورتوں کو حکم دیتا کہ تم اپنا نکاح کر لو، ولیوں کی رضامندی کی فکر نہ کرو۔ علاوہ ازیں آیت کے نزول کے بعد اس واقعہ سے صحابہ نے جو سمجھا، وہی اس آیت کا مفہوم ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ معقل نے اپنی بہن کا نکاح کر دیا، (صحیح بخاری) نہ کہ معقل کی بہن نے از خود اپنی شادی رچالی۔ علماء کی کثیر جماعت نے یہی موقف اپنایا ہے اور امام بخاریؒ کے عجب قوی استدلال کی تائید کی ہے۔ یاد رہے کہ یہ واقعہ کسی کنواری لڑکی کا نہیں بلکہ ایّم (شوہر دیدہ) کا ہے، اس لحاظ سے یہ کنواری لڑکی کے لئے بالاولی ولی کی رضامندی کی ضرورت کو اُجاگر کرتا ہے۔ (حسن مدنی)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب آدمؑ نے آنکھ کھولی تو اللہ کے نام کے ساتھ محمد ﷺ کا نام تھا، آدم علیہ السلام نے اللہ کو اس نام کا واسطہ دیا تو اُن کی بخشش ہو گئی؟

جواب: وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: مشروع اور ممنوع

مشروع وسیلہ کی بھی تین قسمیں ہیں:

(۱) مؤمن کا اللہ سے اس کی برتر ذات اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے ذریعہ وسیلہ چاہنا

(۲) مؤمن کا اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ وسیلہ چاہنا

(۳) مؤمن کا اللہ تعالیٰ سے اپنے حق میں مؤمن بھائی کی دعا کے ذریعہ وسیلہ چاہنا۔

ان تینوں قسموں کی مشروعیت پر بے شمار دلائل کتاب وسنت میں موجود ہیں۔

اور وسیلہ کی تین قسمیں وہ ہیں جو ممنوع ہیں:

(۱) کسی ذات اور شخص کو وسیلہ بنانا، مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہے کہ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں شخص کو وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہوں کہ تو اس کے وسیلہ سے میری حاجت پوری فرما دے اور وسیلہ لینے والے کے دل میں فلاں شخص سے اس شخص کی ذات مراد ہو،

(۲) کسی کے جاہ و حق، حرمت اور برکت کا وسیلہ لینا مثلاً وسیلہ لینے والا کہے: اے اللہ فلاں شخص کا تیرے پاس جو مرتبہ ہے اس کو وسیلہ بناتا ہوں، یا فلاں شخص کا تجھ پر جو حق ہے، اس کو وسیلہ بناتا ہوں یا اس شخص کی حرمت اور برکت کو وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے،

(۳) کسی کے وسیلہ سے اللہ پر قسم کھانا مثلاً کہنے والا کہے: اے اللہ! فلاں شخص کے وسیلہ سے تجھ پر قسم کھاتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے۔

ممنوع وسیلہ کو حلال سمجھنے والے انہی تین طریقوں سے وسیلہ لیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تینوں ہی طریقے باطل اور اصولِ دین کے مخالف ہیں (کتاب "مشروع اور ممنوع وسیلہ کی حقیقت")

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا وسیلہ بنانا تو ناجائز ہے لیکن نبی ﷺ کی اِتباع کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ کیونکہ اتباع عمل صالح ہے نیز یہ قصہ کہ آدم علیہ السلام نے خطا کی معافی کے لئے نبی ﷺ کی ذات کا وسیلہ لیا، من گھڑت واقعہ ہے جس کی کوئی اصل نہیں اس میں راوی عبدالرحمٰن بن زید بالاتفاق ضعیف ہے۔ کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اور ابو حاتم بن حبان کا قول ہے: "عبدالرحمٰن بے خبری میں احادیث اُلٹ پھیر کے بیان کرتا تھا، اس نے مرسل کو مرفوع بنادیا اور موقوف کو مسند قرار دے دیا۔"

خود حاکم نے اپنی کتاب الضعفاء میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے تعجب کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہار کیا ہے کہ حاکم نے اس روایت کو کیسے ذکر کر دیا جبکہ خود انہوں نے اپنی کتاب المدخل میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے موضوع احادیث کی روایت کرتا تھا تاہم احادیث صحیحہ کی رو سے اور قرآنی شہادت بھی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی خطا ان کے توبہ واستغفار کی وجہ سے معاف ہوئی ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے سے...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

"ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے"

امام ابو حنیفہؒ کا فرمان ہے کہ

"کسی کیلئے جائز نہیں کہ اللہ کو اس کی ذات کے سوا کسی اور ذریعہ سے پکارے" (درِّ مختار)

☆ سوال: ہمارا ایک بھائی فوت ہو گیا ہے جس کے اولاد نہیں ہے اور وہ سرکاری ملازم تھا۔ جس کے واجبات تقریباً ۱۷۵۰۰۰ (ایک لاکھ، پچھتر ہزار) ہیں۔ جس میں حصہ دار چار بھائی، ایک بہن، والدہ اور ایک بیوہ ہے۔ چاروں بھائیوں میں سے ایک بھائی پہلے فوت ہو چکا ہے جس کے دو بچے اور ایک بچی اور ایک بیوہ ہے۔ ازراہِ کرم شرعی تقسیم وراثت سے آگاہ فرمائیں۔ (نور محمد ولد اسمٰعیل، شیخوپورہ)

جواب: چار بھائیوں میں سے ایک بھائی چونکہ صاحب ترکہ سے پہلے انتقال کر چکا ہے، اس لئے وہ وارث نہیں بنتا۔ لہٰذا اس کی بیوہ اور اولاد بھی وارث نہیں رہتی۔

اس صورت میں بیوہ کے لئے چوتھا حصہ ہے اس لئے کہ میت کی اولاد نہیں، قرآن میں ہے: ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ﴾ "اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ ہے"...... اور چھٹے حصے کی حق دار والدہ ہے، قرآن میں ہے ﴿فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ "اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے"

اور باقی ترکہ تین بھائیوں اور بہن پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾

"ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے" کے اصول پر تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ہذا کی تفصیل نقشہ کی صورت میں یوں ہے:

اصل مسئلہ: ۱۲

بیوہ	ماں	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
۳	۲	۲	۲	۲	۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم وفضل کے بے تاج بادشاہ کی رحلت

حافظ صلاح الدین یوسف

آہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ

علم و عمل اور ہدایت کے آفتابِ عالم تاب کا غروب

افسوس ہے کہ ۲۶ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ، مطابق ۱۳ر مئی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت اور سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ریاض میں انتقال فرما گئے..... إنا لله وإنا إليه راجعون!! دوسرے دن بروز جمعۃ المبارک خانہ کعبہ میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور جنۃ المعلیٰ کے مشہور اور تاریخی قبرستان میں اُن کی تدفین عمل میں آئی۔ علاوہ ازیں سعودی عرب سمیت پورے عالم اسلام کے ہر شہر اور قریے میں شیخ مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا ہوئی اور ان کی مغفرت اور رفع درجات کے لئے دعا کی گئی۔ پاکستان میں بھی ہر جگہ بڑی بڑی مساجد اہلحدیث میں نمازِ جنازہ غائبانہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلے میں لاہور میں جامع مسجد قدس اہلحدیث چوک دالگراں میں سب سے بڑا اجتماع ہوا، جس میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب نے مرحوم کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اُن کی دینی، ملی اور علمی خدمات پر روشنی ڈالی۔

شیخ ابن باز، جو جوانی میں ہی (۲۰ سال کی عمر میں) ظاہری بصارت سے محروم ہوگئے تھے، لیکن اللہ نے ان کو علمی بصیرت اور تفقہ میں اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا کہ صرف سعودی عرب میں ہی نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی علمی عظمت اور فقاہت کا سکہ چلتا تھا۔ اُن کا نام سنتے ہی ہر گردن جھک جاتی اور ہر سر، نگوں ہو جاتا تھا..... رحمه الله رحمة واسعة

اس کی وجہ وہ چند خصوصیات تھیں جن میں وہ اپنے اَقران واَماثل میں نہایت ممتاز تھے، اس اعتبار سے ان کی شخصیت واقعی آیۃ من آیات اللہ کی مصداق اور ایک مثالی اور قابل تقلید نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انہیں فکر و نظر کی اِصابت کے ساتھ علم و فضل، اِستنباطِ مسائل کی قوت اور ملکہ اجتہاد سے نوازا تھا۔ آپ علوم و معارف کا ایک بحر بے کراں تھے اور تفقہ اور علمی استحضار میں نہایت ممتاز۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فتاویٰ و مقالات (جو گیارہ جلدوں تک پہنچ چکے ہیں) اجتہاد و تفقہ کے بہترین نمونے ہیں۔ جن میں کسی ایک فقہ کی پابندی کی بجائے کتاب و سنت کی رہنمائی میں توسع سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ کام لیا گیا ہے۔ براہِ راست قرآن وحدیث سے رہنمائی لی گئی ہے۔ بڑے بڑے اجتماعات اور مجالس میں شیخ سے ہر قسم کے مختلف سوالات کئے جاتے اور شیخ بروقت ایسے مدلل جواب سے نوازتے کہ آدمی ان کی قوتِ حافظہ، استحضار، ملکہ استنباط اور پرزور انداز استدلال سے حیران رہ جاتا۔ چند سال قبل راقم کو بھی جامعہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) میں اُن کا ایک خطاب سننے اور اس کے بعد سوال وجواب کی نشست سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ راقم نے حضرت الشیخ کی بابت جیسا کچھ سنا تھا، اُس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ تفقہ واجتہاد کی یہ صلاحیتیں، جن سے شیخ مرحوم متصف تھے، بہت کم لوگوں کو ودیعت ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ نہ صرف یہ کہ سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم تھے بلکہ درحقیقت عالم اسلام کے مفتی اعظم تھے۔ پورے عالم اسلام میں ان کے فتاویٰ اور تحقیقات کو نہایت اہمیت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اپنی اسی جلالتِ علمی کی وجہ سے وہ سعودی عرب کے علمی اداروں کی سربراہی پر فائز رہے۔ الجامعة الاسلامية (مدینہ یونیورسٹی) کے وائس چانسلر رہے، رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی مجلس اعلیٰ کے چیئرمین تھے، مکہ مکرمہ کی مساجد کی اعلیٰ عالمی مجلس کے ڈائریکٹر جنرل اور اسلامی فقہی اکیڈمی جدہ کے بھی ڈائریکٹر جنرل رہے۔ اسی طرح ادارۂ بحوثِ علمیہ، افتاء ودعوت وارشاد (ریاض) اور ہیئت کبار العلماء کے سربراہ تھے۔

(۲) علم وفضل کی وسعت کے ساتھ مرحوم دینی غیرت وحمیت اور حق گوئی وبے باکی میں بھی ممتاز تھے۔ جب بھی اور جہاں بھی کوئی منکر دیکھتے، تو شیخ بے قرار ہوجاتے اور اس کے خلاف جو ممکن ہوتا کر گزرتے، اگر وہ اسے حکماً روکنے کی طاقت رکھتے، تو وہ اپنی علمی حیثیت کو حاکم وقت کے طور پر استعمال کرتے اور اسے ختم کرنے کی تاکید کرتے۔ ان کی اس دینی غیرت نے سعودی عرب میں اب تک بہت سے منکرات کے فروغ کو روکا ہوا تھا۔ دنیاوی وسائل کی فراوانی سے پیدا ہونے والی خرابیوں کی راہ میں شیخ کا وجود ایک سنگِ گراں، ایک بہت بڑی رکاوٹ اور سدِ مآرب تھا اور جس کی برکت سے سعودی معاشرہ بہت سی معاشرتی بے راہ رویوں سے محفوظ تھا۔ اگر وہ کسی منکر کو حکماً روک سکنے کی طاقت نہ رکھتے تو زبان وقلم سے ضرور اس کے خلاف جہاد کرتے۔ لیکن منکر کے مقابلے میں خاموشی یا مداہنت ومصالحت کے وہ قطعاً روادار نہ تھے۔ آج اہل علم کی اکثریت میں اس دینی غیرت کا فقدان ہے جس کی وجہ سے عالم اسلام میں منکرات وفواحش کا ایک طوفان برپا ہے، لیکن کوئی اس کے آگے بند باندھنے والا نہیں، حتیٰ کہ علماء قوتِ اظہار سے بھی محروم ہیں اور وہ دینی غیرت، جس نے ابوبکر صدیقؓ سے یہ جملہ کہلوایا تھا: أينقص الدين وأنا حي "کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کردی جائے گی؟"..... اب وارثانِ منبر ومحراب اور حاملانِ علوم نبوت میں ناپید ہے۔ حالانکہ علمائے دین کا امتیاز ہی دینی غیرت وحمیت میں مضمر ہے۔ اگر وہ بھی اس امتیازی وصف سے محروم ہوجائیں تو ان میں اور عام آدمیوں میں کیا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرق باقی رہ جاتا ہے؟

(۳) تیسری امتیازی خوبی، شیخ کا زہد وورع اور تقویٰ تھا۔ آج کل کے علماء وداعیان میں اس کی بھی بڑی کمی ہے۔ وہ تقریریں تو بڑی لچھے دار کرتے ہیں، زبان وبیان کے جوہر تو خوب دکھاتے ہیں اور منبر ومحراب اور اسٹیج پر تو اسلام پر عظیم الشان خطاب فرماتے ہیں، لیکن ان کا دامن عمل سے خالی ہوتا ہے، وہ صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں اور

ع چوں بہ خلوت می روند کار دیگر می کنند

کا مصداق! ..... یہی وجہ ہے کہ ان کی زبانیں قوتِ تاثیر سے محروم اور ان کے مواعظ و خطبات اصلاح وانقلاب کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ شیخ مرحوم جس طرح علم وفضل کے ذروۂ علیا (بلند چوٹی) پر فائز تھے، اسی طرح عمل کے پیکر اور ورع وتقویٰ میں بھی بے مثال تھے۔ ان کی شخصیت اصلاح اور خیر کا جو ایک بڑا ذریعہ تھی، اس میں جہاں اُن کی جلالتِ علمی کا دخل تھا، وہاں اس میں ان کے کردار کی قوت بھی شامل تھی، علم وعمل کی یہ جامعیت ہی ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھی اور حضرت الشیخ رحمہ اللہ بھی اس دور میں اس کا ایک بہترین نمونہ تھے..... کثّر الله فينا أمثالهم

(۴) چوتھی خوبی، ان کے مزاج وطبیعت کی سادگی تھی۔ اللہ نے انہیں بہت اونچے مقام پر فائز کیا تھا، وہ کروڑوں دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ تھے۔ دنیاوی وسائل کی بھی کوئی کمی ان کے ہاں نہ تھی، لیکن اس کے باوجود لباس سے لے کر طور اطوار تک ہر چیز میں سادگی نمایاں تھی۔ آج کل کے اہل علم وفضل میں اس خوبی کا بھی فقدان ہے۔ حالانکہ اہل علم کا سرمایۂ افتخار سادگی ہی ہونا چاہئے نہ کہ شاہانہ کروفر، اہل دنیا کی سی بود وباش اور اہل ثروت کے سے طور اطوار۔

(۵) ایک بڑی خوبی شیخ کی یہ تھی کہ گو انہوں نے اپنی بابت کبھی کسی مسلک ومکتب فکر سے وابستگی کا اظہار نہیں کیا، حتیٰ کہ حنبلیت سے بھی نہیں، جو سعودی عرب کی اکثریت کا مسلک ہے، اور اگر اُن کے اندر ایمان وتقویٰ کی کمزوری ہوتی، تو حنبلیت سے وابستگی کا اظہار شاید ان کی منصبی مجبوری بھی ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں علمی رسوخ کے ساتھ چونکہ ایمان وتقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ کیا تھا، اس لئے انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ حنبلیت کے برعکس کوئی دوسرا موقف اور نقطۂ نظر اختیار کرنے سے کہیں وہ عتابِ شاہی کا مورد نہ بن جائیں۔ بلکہ انہوں نے جس مسلک اور موقف کو سچ سمجھا، اس کا برملا اظہار کیا۔ اس کے مطابق ہمیشہ فتویٰ دیا اور اسی رائے کو اختیار کیا جو قرآن وحدیث کے مطابق ہوتی۔ ان کے فتاویٰ اور مقالات میں سارا استدلال قرآن وحدیث سے ہی کیا گیا ہے، کہیں بھی صرف کسی ایک مسلک کے مطابق اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ ان کے اس طرزِ عمل نے سعودی عرب میں اہل حدیث مسلک کو بڑا فروغ دیا اور فقہی جمود کے خاتمے میں نہایت مؤثر کردار ادا کیا۔ غالباً اسی کا نتیجہ ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ سعودی حکومت میں بھی اور وہاں کے اکابر علماء میں بھی فقہی جمود نہیں۔ اساتذہ، علماء، محققین اور اصحابِ فتویٰ و قضاء بالعموم فقہی توسع کے حامل ہیں اور ہر مسئلے میں بالخصوص جدید مسائل میں کسی ایک فقہ کی پابندی کرنے کی بجائے تمام فقہی آراء سے استفادہ کرنے اور قرآنی وحدیثی دلائل کو ترجیح دینے کا رجحان اور طرزِ عمل عام ہے۔ کاش پورے عالم اسلام کے علماء اور اصحابِ درس و افتاء میں یہی ذوق و رجحان عام ہو جائے۔ کیونکہ آج اسی وسعتِ فکر و نظر اور عدمِ جمود کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر جدید مسائل کا حل ممکن ہے نہ فرقہ واریت کا علاج ہی۔ آج جہاں نئے نئے مسائل حل طلب ہیں، وہاں فرقہ وارانہ ذہنیت اور تشدد نے عالم اسلام کو نیم جان کر رکھا ہے اور ان دونوں کا حل اور علاج اسی طرزِ عمل میں ہے جو سعودی حکومت اور وہاں کے اکابر علماء و شیوخ نے اختیار کیا ہوا ہے اور جس کے فروغ اور ترقی میں شیخ ابن باز کے کردار و عمل اور مساعیٔ حسنہ کا بڑا دخل ہے..... شکر الله سعيه و أجزل جزاءه

(۶) شیخ کی چھٹی خوبی، اُن کا اعتدال و توازن تھا، جس کی ہر جگہ اور ہر معاملے میں شدید ضرورت ہے۔ سعودی عرب، جس کی بنیاد اگرچہ اسلام پر ہے اور اس کے بانی موجودہ حکمرانوں کے والد شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے اخلاص اور سختی کے ساتھ اس ملک میں اسلامی نظام کو نافذ اور رائج کیا تھا، لیکن اب وسائل دنیا کی فراوانی اور جدید ترقیات کے اپنانے کے جذبۂ جنون نے بتدریج موجودہ حکمرانوں میں اسلام کے معاملے میں وہ شدت باقی نہیں رہنے دی ہے جو ان کے والد مرحوم کے اندر اور اس مملکت کے ابتدائی دور میں تھی۔ اس کے نتیجے میں حکومتی سطح پر کچھ مداہنت اور کمزوری کے مظاہر سامنے آئے ہیں جو خالص دینی ذہن رکھنے والوں کے لئے بجا طور پر تشویش و اضطراب کا باعث ہیں۔ اس کے ردِّ عمل میں شدت سے اسلام کے ساتھ وابستہ رہنے والوں کے دو رویے سامنے آئے۔ ایک فریق نے حکومت کی مداہنت پر مبنی پالیسی کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے خلاف خم ٹھونک کر مقابلے میں آگیا، حتیٰ کہ ان کے امیر نے مہدویت کا دعویٰ کر کے خانہ کعبہ تک پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں اس فریق کی ایک بڑی قوت ضائع ہو گئی۔ یہ فریق جس کی پالیسی کے نتیجے میں آج سے تقریباً ۱۹ سال قبل حرم کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا، سننے میں آیا ہے کہ شرارتی لوگ نہیں تھے بلکہ اسلام کے معاملے میں مخلص اور خود اپنی ذاتی زندگیوں میں اسلام پر کاربند تھے۔ اگرچہ ان کے بیشتر افراد کم عمر نوجوان تھے اور صالح و پاکباز، مگر ان کی جذباتیت، شدت پسندی اور اعتدال و توازن سے محرومی نے ان مخلص اور صالح نوجوانوں سے تاریخ اسلام کا ایک سیاہ باب رقم کروا دیا۔ علاوہ ازیں اس غلط اقدام سے انہوں نے اپنی ساری قوت بھی خود اپنے ہاتھوں ختم کر ڈالی۔

اس کے برعکس ایک دوسرا فریق ہے جو اسلام کے معاملے میں اُن سے کم مخلص نہیں اور اس پر عمل کرنے میں بھی اُن سے پیچھے نہیں۔ لیکن اس نے حکومت سے ٹکراؤ اور تصادم کا راستہ نہیں اپنایا،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ اعتدال و توازن کی پالیسی اختیار کی، یعنی الدین النصیحة (دین خیر خواہی کا نام ہے) کے مطابق اپنے دائرے میں رہتے ہوئے خیر خواہی کا حق بھی ادا کیا اور منکرات کے ازالے کی اپنی سی سعی بھی کی، لیکن حریفانہ اور رقیبانہ طور پر نہیں، بلکہ حلیفانہ اور خیر خواہانہ انداز میں۔ اس کے نتیجے میں اس کی قوت و توانائی نہ صرف برقرار رہی بلکہ روز افزوں ہے اور حکومت بھی اسلام کے معاملے میں محتاط پالیسی اپنانے پر مجبور رہی اور ہے۔ حکومت اس فریق کی پالیسی کی وجہ سے اسلامی ذہن رکھنے والوں کے جذبات کا پاس کرنے پر مجبور ہے اور اسے نظر انداز کرنے کی جرأت سے محروم!

شیخ ابن باز رحمہ اللہ اسی دوسرے فریق سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اگرچہ کبھی مداہنت کا راستہ اختیار نہیں کیا اور نہی عن المنکر کا فریضہ نہایت بے خوفی سے ادا کیا۔ حتیٰ کہ اگر بادشاہ کے روبرو بھی کسی منکر کے خلاف بات کرنے کا مرحلہ آیا، تو وہاں بھی اس کے خلاف آواز بلند کرنے میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔ لیکن انہوں نے یہ سارے کام اعتدال و توازن اور ایک خاص حکمتِ عملی کے تحت کیے، خیر خواہی کے انداز میں کیے اور تصادم اور حریفانہ کشمکش کے بغیر کیے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس فریق کی قوت بحمد اللہ موجود اور برسر کار ہے، حکومت اس کے جذبات و افکار کا احترام کرنے پر مجبور ہے اور یوں دونوں کے باہمی تعاون سے، بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود، نہ صرف سعودی عرب کے اندر بلکہ پورے عالم اسلام بلکہ دنیائے کفر سمیت پوری دنیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ، اس کی نشر و اشاعت اور رشد و ہدایت کا اتنا عظیم کام ہو رہا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ شیخ رحمہ اللہ کی یہ پالیسی اور حکمتِ عملی بھی اسلامی ذہن رکھنے والوں کے لئے ایک بہترین نمونہ اور قابل تقلید مثال ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حکومت کے مقابلے میں باغیانہ روش اور تصادم کا راستہ نہ اپنایا جائے کہ اس سے فساد میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور موہوم یا مفروضہ نتائج کبھی حاصل نہیں ہوتے۔

(۷) شیخ کی ایک خوبی، عالم اسلام کے مسلمانوں اور ان کے معاملات و مسائل میں بھرپور دلچسپی اور ان کے ساتھ گہری ہمدردی کی تھی۔ اس اعتبار سے ان کا معاملہ ؎

خنجر چلے کسی پہ، تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کا آئینہ دار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دنیا بھر کے لوگ اپنے دینی اور دنیاوی معاملات لے کر ان کی خدمت میں آتے، شیخ نہ صرف ان سب کی باتیں سنتے، بلکہ عملی طور پر جو کچھ کر سکتے تھے، وہ خود بھی کرتے اور جو کچھ حکومت کے دوسرے اداروں سے کروا سکتے تھے، ان سے کرواتے۔ خود سعودی حکومت کی پالیسی بھی مسلمانانِ عالم کے مفادات کے تحفظ پر ہی مبنی ہے یوں شیخ کا یہ طرزِ عمل حکومت کی پالیسی ہی کا ایک تسلسل اور اس پر عمل بھی تھا اور اس محاذ پر دونوں کا باہمی تعاون مسلمانانِ عالم کے مفادات کے تحفظ اور ان کی فلاح و بہبود کا ضامن تھا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸) شیخ کی ایک خوبی، بدعات و محدثات سے سخت نفرت تھی یہی وجہ ہے کہ مختلف بدعات و محدثات کے رد میں ان کے متعدد مقالے ہیں، جن میں سے بعض کتابچے کی شکل میں بھی شائع ہوئے ہیں

(۹) حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی یہ اور اس قسم کی دیگر بہت سی خوبیاں ہی تھیں، جنہوں نے انہیں عوام وخواص حتیٰ کہ شاہی دربار تک میں بھی ہر دلعزیز اور مقبول بنا رکھا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا، امیر اور غریب حتیٰ کہ ایک پاکباز مؤمن اور ایک فاسق وفاجر شخص بھی شیخ کا یکساں احترام کرتا تھا۔ طبقۂ علماء میں مقبولیت کی یہ وسعت اور بے پناہی بہت ہی کم دیکھنے میں آئی ہے۔ پھر مقبولیت کا یہ عالم سعودی عرب تک محدود نہ تھا، بلکہ پورے عالم عرب، افریقہ، بلکہ پورے عالم اسلام تک وسیع تھا۔ پوری دنیا سے لوگ کشاں کشاں، والہانہ وار فتگی اور نہایت ذوق وشوق کے ساتھ شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے اور ان کی زیارت سے مشرف ہو کر شاداں وفرحاں واپس لوٹتے۔

راقم کو بھی ایک مرتبہ ریاض میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کے اس منظر کا مشاہدہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اہل علم وفضل کا ایک جم غفیر تھا جو مختلف ملکوں اور علاقوں کے افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت الشیخ نے نہ صرف سب کو شرف زیارت بخشا، بلکہ ہر شخص نے فرداً فرداً ملاقات، جبہہ بوسی اور مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ شیخ ہر ایک سے خیریت اور ملک کا نام پوچھتے۔ کوئی شناسا ہوتا تو دیگر حالات وکوائف بھی معلوم کرتے۔ آخر میں سب کی قہوے کے ساتھ ضیافت کی جاتی یا کھانے کے اوقات میں شیخ اپنے ساتھ کھانے کے بڑے دستر خوان پر شریک فرماتے۔ افراد ووفود کی آمد اور ملاقات کا یہ سلسلہ بھی ایک مستقل سلسلہ تھا، لوگ اتنی کثرت اور ذوق وشوق کے ساتھ بادشاہوں کے پاس بھی نہ جاتے ہوں گے جتنی کثرت اور اپنائیت کے ساتھ لوگ شیخ کی زیارت اور جبہہ بوسی کیلئے حاضر ہوتے تھے

بہر حال شیخ کی خوبیاں اور کمالات اتنے متنوع اور زیادہ ہیں کہ مجھ جیسا ہیچ مرزا انہیں بیان کرنے پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مجموعۂ خصائل حمیدہ، گنجینۂ کمالاتِ فائقہ اور گوناگوں مناقب ومحامد کا حامل بنایا تھا ؎ وليس لله بمستنكر ..... أن يجمع العالم في واحد

"اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ کسی شخص میں ایک دنیا جلوہ گر فرمادے"

ان کی وفات یقیناً عالم اسلام کے لئے ایک سانحۂ عظیم ہے، ان کی وفات سے عالم اسلام ایک بطل جلیل، قائدِ عظیم، فقیہ ومحدث، متکلم ومفکر، مرشد ومربی، مشفق ومہربان باپ اور خیر خواہ عظیم رہنما سے محروم ہو گیا ہے..... فإنا لله وإنا اليه راجعون

أيتها النفس أجملي جزعا ..... فان ما تحذرين قد وقعا

"اے جان! جس قدر ہو سکے غم واندوہ کا تذکرہ کرلے، جس سے تو ڈرتا تھا، آج واقع ہو گیا"

اللهم اغفر له وارحمه وافسح له في قبره وارفع درجته في العليين..... آمین!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موت العالم موت العالم

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز

[مفتیٔ اعظم سعودی عرب کے مختصر سوانح حیات]

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی عظیم المرتبت شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ مملکت سعودی عرب کے مفتی اعظم، دارالافتاء کے رئیس اور بے شمار اسلامی اداروں کے سربراہ تھے۔ عصر حاضر میں شیخ ابن باز سے عالم اسلام کو جتنا فائدہ پہنچا ہے شاید ہی کسی اور عالم دین سے پہنچا ہو۔ پوری دنیا میں ان کے مقرر کردہ داعی، ان کے مبعوث علماء کرام، اور ان کے قائم کردہ مدارس واسلامی مراکز کام کر رہے ہیں اور اسلام کی شمع کو دنیا بھر میں روشن کئے ہوئے ہیں۔

شیخ ابن باز کی زندگی پر جب انسان نظر ڈالتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ وہ حیات مستعار کی ۹۰ سے زائد بہاریں دیکھنے کے باوجود انتہائی مصروف کار تھے اور ان کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے دین کو پھیلانے کے لئے وقف تھا۔ اسلام سے متعلق تقریباً تمام ہی موضوعات پر شیخ کی تصانیف موجود ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا :

"میں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ (خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے والد گرامی) کے دور سے لکھنا شروع کیا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک جو بھی لفظ لکھا یا لکھوایا، وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے تھا"..... شاید یہی وجہ ہے کہ جتنی پذیرائی ان کی کتب کو حاصل ہوئی ہے، عصر حاضر میں کسی مؤلف کے حصے میں کم ہی آئی ہے۔

اپنے تمام علمی اور ادارتی مناصب کے ساتھ ساتھ انہوں نے بے شمار مسائل پر قرآن وسنت کی روشنی میں فتوے دیئے ہیں۔ ان فتوؤں میں انہوں نے ہمیشہ محدثین کے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کے فتوے مختلف کتابوں اور جرائد میں چھپتے رہے ہیں، حال ہی میں مجلہ "الدعوۃ" نے ان کے فتاویٰ کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ یاد رہے کہ شیخ مرحوم کے مطبوعہ فتاویٰ اب تک گیارہ ضخیم جلدوں میں سمائے ہیں اور ابھی سینکڑوں فتاویٰ ایسے ہیں جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے..... ذیل میں مفتی مرحوم کے مختصر سوانح حیات اور بعض علمی کارناموں کو بالاختصار پیش کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں (حسن مدنی)

آپ کا پورا نام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ آل باز ہے۔

مقام وتاریخ پیدائش

آپ ۱۲/ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۱ء) کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ آپ بینا اور صحیح النظر تھے۔ لیکن ۱۳۴۶ھ کو آپ کی آنکھوں میں کوئی بیماری لاحق ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ کی نظر کمزور ہوگئی اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۵۰ھ کو آپ کی نظر کلی طور پر ختم ہوگئی اور آپ نابینا ہوگئے۔

حصولِ تعلیم

آپ نے بالغ ہونے سے پیشتر ہی قرآنِ کریم کا حفظ مکمل کرلیا، پھر آپ ریاض کے علماء کے پاس تحصیل علم کے لئے کوشاں ہوگئے اور جب آپ نے شرعی علوم اور لغت میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تو ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) کو محکمہ قضاء میں آپ کا تقرر کردیا گیا۔ طلبِ علم کا یہ سلسلہ وفات تک جاری رہا اور آپ نے اس سے اپنا ناطہ نہیں توڑا۔ آپ رات دن تحقیق و تدریس کے کام میں مشغول رہتے مختلف حکومتی عہدوں/ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اس سے غافل نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علوم میں آپ کی بصیرت اور پختگی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ علومِ حدیث کے سلسلے میں آپ نے خاص اہتمام کیا۔ اس سلسلے میں آپ کو اس قدر مہارت اور رسوخ حاصل ہوا کہ کسی حدیث کی صحت و سقم کے بارے میں آپ کا فیصلہ انتہائی معتبر سمجھا جاتا اور یہ وہ علمی مقام ہے جو خاص طور پر موجودہ زمانے میں کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ آپ کی تحریروں اور فتوؤں میں اس کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں، کیونکہ آپ ہمیشہ انہی اقوال اور آراء کو اختیار کرتے ہیں جن کی تائید کسی مسلمہ دلیل سے ہوتی ہو۔

شیوخ اور اساتذہ

آپ نے بہت سے علماء سے علم حاصل کیا جن میں سے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) الشیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب (قاضی ریاض)

(۲) الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب

(۳) الشیخ سعد بن حمد بن عتیق (قاضی ریاض)

(۴) الشیخ حمد بن فارس (سیکرٹری خزانہ)

(۵) سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آلِ الشیخ جو تاحیات مملکتِ سعودی عرب کے مفتی رہے۔ آپ نے عرصہ دس سال (۱۳۴۷ھ تا ۱۳۵۷ھ) ان کے حلقۂ درس کا التزام کیا اور ان سے تمام شرعی علوم سیکھے۔

(۶) الشیخ سعد وقاص بخاری جو مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ہیں۔ ان سے آپ نے ۱۳۵۵ھ میں علم تجوید سیکھا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمی خدمات

جب آپ ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) کو منطقہ خَرَج میں قاضی کے عہدہ پر فائز ہوئے، اس وقت سے لے کر آج تک اشاعتِ علم کے لئے آپ مسلسل تدریسی حلقوں کا باقاعدہ التزام کرتے رہے۔ خرج میں آپ منگل اور جمعہ کے علاوہ ہفتہ کے دیگر تمام دنوں میں علمی مجالس کا اہتمام کرتے، طلباء کی ایک جماعت مستقل طور پر آپ کی خدمت میں موجود رہتی تھی، جنہوں نے اپنے آپ کو حصولِ علم کے لئے وقف کر رکھا تھا، ان میں سے چند معروف سعودی اور پاکستانی شاگردوں کے نام یہ ہیں:

(۱) الشیخ عبداللہ کنھل
(۲) الشیخ راشد بن صالح الخنین
(۳) الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر البراک
(۴) الشیخ عبداللطیف بن شدید
(۵) الشیخ عبداللہ بن حسن بن قعود
(۶) الشیخ عبدالرحمٰن بن جلال
(۷) الشیخ صالح بن ہلیل
(۸) ڈاکٹر ربیع بن ہادی المدخلی
(۹) پروفیسر یوسف کاظم، اسلام آباد
(۱۰) مولانا بشیر احمد گوہڑوی، قصور
(۱۱) حافظ عبدالرحمٰن مدنی پرنسپل شریعت کالج، لاہور
(۱۲) حافظ ثناءاللہ مدنی، سربراہ (پاکستانی) سعودی مشن
(۱۳) ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، ناظم جامعہ عربیہ، کراچی
(۱۴) ڈاکٹر صہیب حسن، سربراہ ادارۃ القرآن، لندن
(۱۵) پروفیسر عبدالسلام کیلانی، یوگنڈا
(۱۶) شیخ الحدیث مولانا حسن جان سابق MNA، پشاور
(۱۷) پروفیسر عبداللہ کاکا خیل، اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
(۱۸) پروفیسر ابراہیم خلیل، نیروبی (کینیا)
(۱۹) حافظ محمد سلفی، مہتمم جامعہ ستاریہ، کراچی
(۲۰) ڈاکٹر صدیق الحسن خان، مجلس تحقیق اسلامی، لاہور

۱۳۷۲ھ کو آپ ریاض منتقل ہوگئے، جہاں آپ ریاض کے معہدِ علمی میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور جب ۱۳۷۳ھ کو کلیۃ الشریعہ کا قیام عمل میں آیا تو وہاں آپ فقہ، حدیث اور توحید کے علوم پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد ۱۳۸۱ھ کو آپ کا تبادلہ مدینہ منورہ ہوگیا اور آپ کو مدینہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ جب آپ ریاض منتقل ہوئے تھے تو آپ نے ریاض کی بڑی جامع مسجد میں ایک تدریسی حلقے کی بنیاد رکھی، یہ تدریسی حلقہ آج بھی قائم ہے اور وہاں درس و تدریس کا کام بدستور جاری ہے، تاہم ریاض میں قیام کے آخری سالوں میں آپکی مصروفیات بڑھ گئیں اور اس تدریسی حلقے کا دائرۂ عمل ہفتے کے بعض ایام تک محدود ہو کر رہ گیا۔ طلباء کی ایک کثیر تعداد اس علمی حلقے سے وابستہ رہی۔

۱۳۸۱ھ (۱۹۶۱ء) کو مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ۱۳۹۰ھ سے لے کر ۱۳۹۵ھ تک

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چانسلر کی حیثیت سے جب آپ کا قیام مدینہ منورہ میں رہا تو اس دوران آپ نے مسجد نبوی شریف میں تدریس کا ایک حلقہ قائم کیا۔ علاوہ ازیں جب آپ اپنے مستقل رہائشی مقام سے عارضی طور پر کسی اور مقام کی طرف نقل مکانی کرتے جیسا کہ موسم گرما میں آپ کا قیام طائف وغیرہ میں ہوتا تھا تو وہاں بھی آپ اس تدریسی حلقے کو بدستور قائم رکھتے۔

تصنیفات

(۱) فتح الباری شرح صحیح بخاری پر کتاب الحج تک مفید تعلیقات

(۲) فتوؤں کا مجموعہ اور مختلف موضوعات پر مقالے (جن کی اب تک ۱۱ جلدیں شائع ہو چکی ہیں)

(۳) الفوائد الجلية فی المباحث الفرضية

(۴) التحقيق والا يضاح لكثير من مسائل الحج والعمرة والزيارة (توضیح المناسک) حج، عمرہ اور زیارت کے بہت سے مسائل کی وضاحت اور تحقیق۔

(۵) التحذير من البدع، یہ چار مفید مقالوں پر مشتمل ہے: (الف) رسول اللہ ﷺ کا یوم پیدائش منانے کا مسئلہ (ب) شب معراج منانے کا حکم (ج) نصف شعبان کی رات یعنی شب برات منانے کا حکم (د) حجرۂ نبوی کے خادم شیخ احمد کے من گھڑت اور جھوٹے خوابوں کی وضاحت۔

(۵) زکوٰۃ اور روزوں سے متعلق دو جامع اور مختصر رسالے۔

(۶) العقيدة الصحيحة وما يضادها (صحیح عقیدہ کی تعلیم اور جو کچھ اس کے برعکس ہے)

(۷) وجوب العمل بسنة الرسول ﷺ و كفر من أنكرها (سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل واجب ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے)

(۸) الدعوة إلى الله وأخلاق الدعاة (دعوت الی اللہ..... اور داعیوں کے اوصاف)

(۹) وجوب تحكيم شرع الله و نبذ ما خالفه (اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور جو بات اس کے خلاف ہو وہ ناقابل قبول ہے)

(۱۰) حكم السفور والحجاب و نكاح الشغار (بے پردگی، حجاب اور وٹے سٹے کے نکاح کا حکم)

(۱۱) نقد القومية العربية (عربی قومیت پر مبنی نظریات پر تنقید)

(۱۲) الجواب المفيد فی حكم التصوير (تصویر کے مسئلہ پر مفید وضاحتیں)

(۱۳) الشیخ محمد بن عبدالوہاب..... آپ کی دعوت اور سیرت

(۱۴) نماز سے متعلق تین رسائل: (الف) نبی ﷺ کی نماز کی کیفیت

(ب) باجماعت نماز پڑھنے کا وجوب (ج) جب نمازی رکوع سے اٹھے تو ہاتھ کہاں رکھے؟

(۱۵) جو شخص قرآن یا رسول اللہ ﷺ پر طعنہ زنی کرے، اس کے متعلق اسلام کا حکم کیا ہے؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۶) سورج کے متحرک، زمین کے ساکن ہونے اور ستاروں تک پہنچنے کے سائنسی نظریات پر نقلی اور عقلی دلائل

(۱۷) إقامة البراهين على من استغاث بغير الله و صدق الكهنة والعرافين (جو شخص اللہ کے سوا کسی سے فریاد رسی کرے اور جو کاہنوں اور نجومیوں کو سچا سمجھے اس کے کفر پر واضح دلائل)

(۱۸) الجهاد في سبيل الله

(۱۹) الدروس المهمة لعامة الامة (اُمت کے عام لوگوں کے لئے ضروری اسباق)

(۲۰) فتاوىٰ تتعلق بأحكام الحج والعمرة والزيارة (حج، عمرہ اور زیارت کے احکام پر فتاویٰ)

(۲۱) وجوب لزوم السنة والحذر من البدعة (سنت کو لازم پکڑنے اور بدعت سے بچنے کا وجوب)

..... یہ تو تھیں آپ کی وہ تصنیفات جن کی طباعت مکمل ہو چکی ہیں اور ان کے علاوہ آپ نے بعض کتابوں پر تعلیقات بھی لکھی ہیں، جو یہ ہیں :

(۱) بلوغ المرام

(۲) تقريب التهذيب للحافظ ابن حجر (غیر مطبوعہ)

(۳) تحفة الأخيار ببيان جملة نافعة مما ورد في الكتاب والسنة الصحيحة من الأدعية والأذكار (نیک لوگوں کو کتاب و سنت میں مفید ادعیہ و اذکار کا خوبصورت ہدیہ)

(۴) التحفة الكريمة في بيان كثير من الأحاديث الموضوعة والسقيمة (متعدد موضوع و سقیم احادیث کے تذکرہ پر مبنی عظیم تحفہ)

(۵) تحفة أهل العلم والإيمان بمختارات من الأحاديث الصحيحة والحسان (اہل علم و ایمان کو منتخب صحیح و حسن احادیث کا ایک خوبصورت گلدستہ)

علمی خدمات کے علاوہ سماحۃ الشیخ کی دیگر مصروفیات

(۱) شاہی فرمان کے ذریعے آپ کو ادارۂ برائے بحوث علمیہ، افتاء و دعوت و ارشاد کے چیئرمین کے منصب پر فائز کیا گیا۔ واضح رہے کہ اب چند سال قبل ادارۂ دعوت و ارشاد سعودی عرب کی وزارت مذہبی امور کو منتقل کر دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں آپ درج ذیل مناصب پر کام کر رہے تھے:

(۲) هيئة كبار العلماء (کبار علماء کے بورڈ) کے سربراہ

(۳) شعبہ بحوثِ علمیہ اور افتاء کی مستقل کمیٹی کے بھی سربراہ

(۴) رابطہ عالم اسلامی کی مجالس تاسیس کے ممبر بھی ہیں اور چیئرمین بھی

(۵) مکہ مکرمہ میں مساجد کی اعلیٰ عالمی مجلس کے چیئرمین

(۶) رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہی اسلامی اکیڈمی کے چیئرمین

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۷) مملکتِ سعودی عرب کی دعوتِ اسلامیہ کی اعلیٰ کمیٹی کے ممبر کے طور پر

آپ کی علمی اور دینی سرگرمیوں کا دائرہ مذکورہ خدمات تک ہی محدود نہیں بلکہ آپ علمی مجلسوں میں شرکت فرما کر اہم موضوعات پر لیکچر دیتے اور علمی، تنقیدی تبصروں میں شرکت بھی فرماتے۔ عام و خاص محفلوں میں شریک ہو کر قراءت اور تنقیدی تبصروں کے ساتھ ان کی رونق کو دوبالا کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ أمر بالمعروف اور نهی عن المنكر کے فریضے کا بھی خاص اہتمام کرتے اور یہ ایک ایسا وصف ہے جو آپ کی شخصیت کا ایک لازمی حصہ بن چکا تھا۔

آپ کی وفات سے عالم اسلام ایک عظیم علمی اور فقہی بصیرت کی حامل شخصیت سے محروم ہو گیا۔ یہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کا اثر تھا کہ سعودی عرب میں اب تک بیسیوں منکرات کے دروازے بند تھے۔ سعودی فرمانروا آپ کے فرامین کو حکم ناموں کی سی اہمیت دیتے، اور آپ سے ملاقات کے لئے خود حاضری دیا کرتے۔ واقعتاً آپ کا مقام مفتی اعظم کے سرکاری منصب سے بہت بلند و بالا تھا۔

سعودی عوام میں آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص انہیں سماحة الوالد کے عقیدت بھرے خطاب سے یاد کرتا تھا۔ اور آپ کا نام سنتے ہی احترام و عقیدت کے جذبات سے مغلوب ہو جاتا۔ آپ کے نام سے کسی مسئلے پر آجانے والا فتویٰ سعودی عرب میں حرفِ آخر سمجھا جاتا اور حکومتیں اس کے مطابق قانون سازی کرنے پر مجبور ہوتیں۔ واقعتاً آپ ایسے مخلص، پرہیزگار اور نمونۂ اسلاف شخصیت کے چلے جانے سے سعودی عرب میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم عظیم خلا پیدا ہو گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے چھوڑے ہوئے علمی ذخیرے سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے اور آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین! (ادارۂ "محدث")

﴿كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام﴾

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یومیہ معمولات کا ایک دلآویز تذکرہ

عبدالمالک مجاہد، ریاض
مدیر مکتبہ دارالسلام۔

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ

[ایک ممتاز عالم دین، محدث اور فقیہ]

یوں تو محدث کے موجودہ شمارے میں مفتی مرحوم کے بارے میں دو تفصیلی مضامین شامل اشاعت ہیں جن میں ایک مضمون ہمارے محترم مدیر حافظ صلاح الدین یوسف نے بطورِ خاص محدث کے لئے تحریر کر کے دیا ہے جو بہت ہی جامع پیرائے میں شیخ مرحوم کی شخصیت، خدمات کا ایک جامع جائزہ پیش کرتا ہے۔ لیکن شیخ ابن باز کی ذاتِ مبارکہ اور ان کی مساعیٔ دین کو جاننے والا ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ چند ایک مضامین میں آپ ایسی عہد ساز شخصیت کی خدمات کا احاطہ کیا جانا مشکل امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو مضامین کی اشاعت کے باوجود بھی ہمیں یہ تشنگی محسوس ہوتی تھی کہ ابھی اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی جانی چاہئے۔

شیخ ابن باز کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ خود نمائی یا ذاتی ستائش کو کبھی پسند نہ فرماتے، یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی اس نامور شخصیت پر ان کی زندگی میں بہت کم لکھا گیا۔ وگرنہ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ آپ کے کام کے ہر ہر پہلو پر مفصل تحریریں سامنے آئیں تاکہ ایسی مبارک ہستیوں کی زندگی سے دوسرے بہت سے حق کے متلاشی اپنی زندگیوں میں ایسے خصائل کو اپنا کر امت کے لئے خیر و برکت پھیلائیں۔ بہرحال ایسی شخصیات کی خدمات کا اعتراف اور ان کے حسن کردار کی عکاسی ہی قوموں میں زندگی کے آثار کی نشاندہی کرتی ہے۔

چنانچہ اسی تشنگی کو کچھ کم کرنے کے لئے ہم ذیل میں آج سے ۵ برس قبل تحریر ہونے والا مضمون بھی شائع کر رہے ہیں۔ جس میں شیخ کی روزمرہ کی مصروفیات کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلے دو مضامین اگر شیخ کے بارے میں کچھ اچھے جذبات اور تذکروں پر مشتمل ہیں تو یہ مضمون ان تذکروں کی عملی رنگ میں تائید اور مثالیں ہیں جن سے آپ کی حیاتِ طیبہ کے خوبصورت پہلو جا بجا نمایاں ہوتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بھی اس تذکرۂ خیر سے اپنی معمولات کو سنوارنے اور مفید بنانے میں مدد لیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز (حسن بدنی)

یہ دسمبر ۱۹۹۴ء کی ایک جمعرات کی صبح تھی۔ مجھے فجر کی نماز ریاض کی سب سے بڑی مسجد جامع الامام ترکی (جو دیرہ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے) میں ادا کرنا تھی۔ فجر کی نماز ختم ہوئی تو عالم اسلام کی نامور شخصیت سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ نے درس دینا شروع کیا۔ دلوں میں اُترنے والا درس اور حاضرین ہمہ تن گوش۔ شیخ قرآن پاک کی آیات پڑھ رہے ہیں، حدیث شریف سے استدلال ہو رہا ہے، حاضری دم بدم بڑھ رہی ہے۔ میری نگاہیں دروازوں کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ طلباء کے گروہ در گروہ کتابیں اٹھائے مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ کا درس ختم ہوا۔ اب طلبا کے ہجوم میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔ دس منٹ کے وقفے میں شیخ کے اردگرد بے شمار طلباء کا ہجوم اکٹھا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا ہے۔ مسجد کے دروازوں سے طلبایوں کشاں کشاں داخل ہو رہے ہیں گویا پروانے اپنی شمع کی تلاش میں آرہے ہیں۔ اچانک شیخ ابن باز اپنی مسند پر تشریف لاتے ہیں۔ حاضرین پر سناٹا طاری ہو جاتا ہے۔ طلباء نے صحیح البخاری کھول لی ہے۔ ایک طالب علم نے حدیث پڑھنا شروع کی۔ شیخ سماعت فرما رہے ہیں۔ حاضرین کی نگاہیں بدستور کتب پر ہیں۔ کہیں زیر و زبر کی غلطی ہو گئی۔ شیخ نے فوراً سر اوپر اٹھایا۔ طالب علم نے حدیث پڑھنا بند کر دی۔ شیخ نے اصلاح کی اور پھر اس حدیث کی شرح بیان ہونا شروع ہو گئی۔ شیخ علم کے دریا بہا رہے ہیں۔ اب طلباء کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ یہاں بڑے بڑے اُستاد، مدرّس، پروفیسر، یونیورسٹی کے اساتذہ ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں قلم، سامنے صحیح بخاری کا نسخہ اور کاغذ ہیں۔ دھڑا دھڑ نوٹس لئے جا رہے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ تک درس جاری رہتا ہے اور شیخ فرماتے ہیں..... حسبك الله

اب دوسرا شاگرد مائیک سنبھال لیتا ہے۔ صحیح مسلم شریف کا درس شروع ہوا۔ احادیث پڑھی جا رہی ہیں۔ شیخ ابن باز حفظہ اللہ جہاں ضروری ہوتا ہے، وہاں تشریح فرما رہے ہیں۔ اب تفسیر ابن کثیر کی باری ہے۔ شاگرد جو پڑھ رہا تھا، بدل گیا ہے مگر استاد وہی ہے۔ اپنی جگہ پر، اپنی مسند پر براجمان۔ میں ورطۂ حیرت میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میں نے تاریخ میں علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگردوں کا حال پڑھا، امام احمد بن حنبلؒ کی تاریخ پڑھی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ آج اپنی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں۔ حدِ نگاہ تک چاروں طرف ہجوم، طالبانِ حق جو ریاض کے کونے کونے سے تشریف فرما ہیں۔ تفسیر ابن کثیر کا دور بھی ختم ہوتا ہے اب امام ابن قیمؒ کی کتاب سامنے ہے۔ پڑھنے والا جہاں کہیں غلطی کرتا ہے، شیخ فوراً ٹوکتے ہیں۔ اب باری صحیح ترمذی کی ہے۔ احادیث کا دور ہو رہا ہے۔ سننے والے علم و عرفان کے موتی اپنے دامن میں سمیٹ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوداؤد کی باری ہے۔ پھر صرف و نحو کا دور چلنے والا ہے۔ علم کی بارش ہو رہی ہے۔ مجھے پتہ چلتا ہے کہ یہ سلسلہ برس ہا برس سے جاری ہے۔ ہر جمعرات کو یہ سلسلہ ہوتا ہے۔ لوگ دور دور سے بطور خاص درس میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔ یقیناً علمائے سلف کا یہی طریق رہا ہے وہ علم کی مجالس میں بڑی لذت محسوس کرتے اور سارا سارا دن حدیث پڑھتے پڑھاتے گزر جاتا۔

اب میں تصور کی آنکھ سے شیخ ابن باز کو دیکھ رہا ہوں۔ بڑے بڑے علماء دیکھے مگر قارئین! عصر حاضر میں ان جیسا عالم دین، محقق، محدث، مفتی نہ دیکھا، نہ سنا، میں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور میں جتنا فائدہ عالم اسلام کو شیخ ابن باز سے پہنچا، شاید ہی کسی اور سے پہنچا ہو، بلاشبہ شیخ اس دور میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ شیخ کی عمر ۸۵ سال سے تجاوز کر گئی ہے مگر اب بھی خلق خدا کو اپنے علم، عمل اور اخلاق سے مسلسل فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم و بیش سات آٹھ سال پہلے کا ایک واقعہ یاد آتا ہے، میں وزارۃ الدفاع والطیران کے مذہبی اُمور کے وفد کے ساتھ بطورِ مترجم حج کی ڈیوٹی پر تھا۔ منیٰ اور عرفات میں بڑا کیمپ تھا۔ اس حج وفد کے سربراہ جنرل عبدالمحسن آل الشیخ تھے۔ میدانِ عرفات میں سورج غروب ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ وفد کے تمام اراکین قبلہ رو اپنے بازو پھیلائے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ میرے بائیں ہاتھ جنرل عبدالمحسن اپنے ہاتھ اٹھائے مصروفِ دعا ہیں۔ یہ آل الشیخ سے ہیں، خود بھی عالم دین ہیں، عمر کم و بیش ساٹھ سال کی ہے۔ میرے کان ان سے ایک عجیب دعا سن رہے ہیں۔ جنرل صاحب دعاء کر رہے ہیں:

"اے اللہ میری زندگی شیخ عبدالعزیز بن باز کو عطا فرمادے....."

مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آتا میں دوبارہ غور سے سنتا ہوں۔ جنرل صاحب یہی دعا بار بار فرما رہے ہیں۔ یوں تو بحیثیتِ عالم دین شیخ ابن باز حفظہ اللہ سے ایک دلی تعلق تھا۔ اس واقعہ نے دل میں محبت کو اور نقش کر دیا۔ شیخ صاحب سے ملنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرا دل میں آیا اور شیخ صاحب کی مسجد کے امام قاری حافظ محمد الیاس صاحب کو فون کر دیا۔ بس ملاقات ہی نہیں، کھانے کی دعوت بھی مل گئی۔ الحمدللہ نجانے کتنی بار اس ناچیز کو ان کے دستر خوان پر طعام سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ مگر کبھی کبھی قسمت زیادہ ہی مہربان ہو جاتی ہے۔

دو سال قبل ۱۴۱۳ھ کی بات ہے۔ میں نے "دی نوبل قرآن" کے نام سے انگلش زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ شائع کیا تو اس کے مترجم ڈاکٹر محمد محسن خان صاحب کے ساتھ جا کر سماحۃ الشیخ کو ایک نسخہ پیش کیا۔ شیخ صاحب نے تحسین فرمائی۔ اور ارشاد ہوا کہ کل دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھایئے۔ میری قسمت کہ نام لے کر فرمایا: "عبدالمالک بھی آئے"۔ اگلے دن حسبِ پروگرام دو بجے ہم انکے گھر جا پہنچے۔ عموماً بیرونِ ملک سے وفود آئے ہوتے ہیں مگر میری خوش قسمتی کہ مہمان کچھ زیادہ نہ تھے

دستر خوان پر بیٹھے، کھانا شروع ہوا تو اچانک شیخ نے مجھ سے نشر و اشاعت سے متعلق سوال کرنا شروع کر دیئے۔ اب کھانا کس کو سوجھے! عصر حاضر کے سب سے بڑے امام، مفتی، عالم دین اور ولی کامل مجھ ایسے عاصی سے سوال کر رہے ہیں مجھے حیرت انگیز خوشی ہو رہی ہے کہ شیخ کو نشر و اشاعت کی تمام تر جزئیات کا علم ہے۔ میں آہستہ آہستہ جواب دے رہا ہوں۔ کون کون سے کتب شائع کی ہیں؟ کہاں کہاں پہنچ گئی ہیں؟ تصحیح کا کیا انتظام ہے؟ کاغذ کیسا لگایا ہے؟ تجلید کیسی ہے؟ کون کون سی کتب ترجمہ کی ہیں؟ کھانے کا بیشتر وقت مجھ سے سوال و جواب میں گزر گیا۔ شیخ خود بے حد کم کھانا کھاتے ہیں۔ ڈاکٹر محسن خان صاحب حسبِ ضرورت میری مدد فرما رہے ہیں۔ شیخ نے کھانا مکمل کیا اور ہمیں حکم دیا کہ تم لوگ کھانا ختم کرو، یہی ان کی عادت ہے۔ میں نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ شیخ کا خادمِ خاص دوڑتا ہوا آیا۔ وہ آواز لگا رہا ہے: یا عبد المالك ..... یا عبد المالك

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے اس کی طرف دیکھا، تو کہنے لگا۔ "شیخ تمہیں یاد فرما رہے ہیں" میں دوڑتا ہوا گیا۔ ڈاکٹر محسن خان نے مجھے اشارہ کیا کہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔ میں شیخ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اب باری شیخ حفظہ اللہ کی نصیحتیں کرنے کی ہے۔ فلاں فلاں کتب چھاپنا۔ ابن تیمیہؒ کی کتب کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا۔ عقیدۂ واسطیہ کے بارے میں فرمایا کہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اب دستِ شفقت میرے سر پر ہے۔ میں التجا کرتا ہوں کہ شیخ میرے لئے دعا فرمائیں۔ ڈاکٹر محسن خان میری سفارش کر رہے ہیں اور پھر اس ولیٔ کامل نے اس گناہگار کو بے شمار دعائیں دے ڈالیں۔ میں اخلاصِ عمل کی التجا کرتا ہوں۔ وہ بار بار فرما رہے ہیں کہ "الله ينفع المسلمين" اللہ تمہیں صحیح کتب نشر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تجھ سے عالم اسلام کو فائدہ پہنچائے۔ میری آنکھوں میں آنسو ہیں، تشکر کے آنسو۔ آج واقعی میرا رب مجھ پر بڑا مہربان ہوا ہے کہ اس کے خاص بندے نے میرے لئے بہت دعائیں فرمائی ہیں اور آج جب میں اپنے کام کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو اس ولیٔ کامل کی دعاؤں کی قبولیت کے آثار نظر آتے ہیں۔

شیخ ابن باز حفظہ اللہ آنکھوں سے نابینا ہیں مگر ہزاروں لاکھوں بینا اُن کے جوتے اٹھانے میں اپنے لئے فخر محسوس کرتے ہیں..... شیخ کے مختصر حالات زندگی کچھ یوں ہیں:

شیخ کا پورا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن باز ہے۔ اپنے بڑے بیٹے کے نام پر ابو عبداللہ کنیت کرتے ہیں۔ عجب اتفاق ہے کہ تمام بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کی کنیت بھی ابو عبداللہ ہی تھی۔ مثلاً امام بخاریؒ کی کنیت ابو عبداللہ تھی، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام الوقت احمد بن حنبلؒ کی کنیت بھی ابو عبداللہ تھی۔ آپ ریاض میں ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان میں بعض افراد صنعت و حرفت اور بعض زراعت کے پیشوں سے منسلک اور بعض تعلیم اور قضا کے عہدوں پر فائز ہیں۔ آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں مجددِ دعوتِ اسلامیہ محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک کا خاصا اثر تھا۔ یہ دعوت بعد ازاں رفتہ رفتہ پوری دنیا میں پھیلی اور اس کے واضح اثرات ہوئے۔

آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ہر چند کہ آنکھوں سے نابینا ہو گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل و دماغ اور سینے کو علم کی روشنی سے منور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے عجب کمال حافظہ عطا فرمایا، وہ حد درجہ ذہین اور فطین تھے۔ علم دین سیکھنا شروع کیا۔ علم حدیث سے گہرا تعلق تھا۔ سند اور متن کو بھی دماغ میں محفوظ کر لیتے۔ جن بڑے علماء کرام سے علمی استفادہ کیا اور جن کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ان میں الشیخ محمد بن عبداللطیف آلِ شیخ سر فہرست ہیں۔ آلِ شیخ کا گھرانہ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد ہے اور ایں خانہ ہمہ آفتاب است کے مصداق، آج تک ان کے یہاں علم و فضل، تقویٰ اور خیر موجود ہے۔ ان کے علاوہ شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ، قاضیٔ ریاض اور شیخ سعد بن احمد آل عتیق قاضیٔ ریاض ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ سعد بن احمد آلِ عتیق علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دہلی تشریف لائے اور شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدثؒ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ یہ ایک سلسلة الذهب ہے جو آج سے سو ڈیڑھ سو سال قبل علمائے ہند سے علم حدیث کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا سبب بنا۔ یہ ایک لمبی بحث ہے اور علم حدیث کی ایک طویل تاریخ ہے۔ جس کا یہاں محل نہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ محض اس رابطہ کی بنا پر جس کا اوپر ذکر ہوا، شیخ ابن باز علمائے ہند و پاکستان کے بڑے قدر دان ہیں اور ان سے گہری محبت و شفقت فرماتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے شیخ سعد وقاص بخاری سے علم تجوید سیکھا۔ آپ نے دس سال تک مفتی دیار السعودیہ شیخ محمد بن ابراہیم آلِ شیخ کے دروس میں شرکت کی اور ان سے علمی استفادہ کیا۔ شیخ ابن باز کی ساری زندگی ہی علم سیکھنے سکھانے میں گزر گئی، دن رات علمی مجالس میں شرکت کرتے۔ شیخ کوئی امیر کبیر آدمی نہ تھے اور یوں بھی نابینا۔ مگر اس کے باوجود بچپن ہی سے علم و عمل سے محبت اور لگن کا یہ عالم کہ یکتائے روزگار اور پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کے لئے اپنے فضل و کرم کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہ لوگ جو ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں پھر ہم ان کو اپنے راستہ کی طرف رہنمائی دیتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے" (العنکبوت:٦٩)

شیخ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۷ء سے ۱۹۶۰ء تک ریاض کے المعهد العلمي میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں انہیں مدینہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا اور ۱۹۷۰ء میں ان کو إدارة البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد کا رئیس عام بنا دیا گیا۔

شیخ کئی ایک علمی مجالس اور دینی اداروں کے رکن اور رئیس ہیں جن میں سعودی عرب کے اکابر علماء بورڈ کے رکن، رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے چیئرمین، رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام عالمی مساجد کمیٹی کے چیئرمین، مدینہ یونیورسٹی کی سینٹ کے ممبر، رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اسلامی اکیڈیمی کے چیئرمین، سعودی عرب میں دعوۃ اسلامیہ کمیٹی کے رکن اور دوسری اصلاحی اور خیراتی کمیٹیوں کے سرپرست اور رکن ہیں۔

علاوہ ازیں دنیا بھر میں بے شمار اسلامی مراکز اور مدارس میں شیخ کی جانب سے مقرر کردہ علماءِ کرام دین کی دعوت کا کام کر رہے ہیں۔ پوری دنیا میں جہاں بھی مجاہدین اسلام جہاد کر رہے ہیں، ان کے قائدین کا عموماً شیخ سے رابطہ ہے۔ جہادِ افغانستان میں شیخ صاحب کے مستقل نمائندے پشاور میں مقیم رہے۔ اس مضبوط رابطہ کی بدولت جہاد کی خبریں مسلسل ملتی رہیں۔ آپ جہاد کے بارے میں ہدایات دیتے رہے اور شیخ کی جانب سے سامانِ حرب اور دیگر لوازمات مسلسل پہنچائے جاتے رہے۔ جہادِ افغانستان میں بھرپور مالی اور اخلاقی تعاون اور رہنمائی کی بدولت شیخ ابن باز کا نام جہادِ افغانستان کی تاریخ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ افغانستان کی جنگ کے دوران مختلف گروہوں اور گروپوں کے درمیان مفاہمت کروانے میں شیخ صاحب اور ان کے نمائندوں کا قابل تحسین کردار رہا۔ علاوہ ازیں فلسطین، برما، کشمیر، فلپائن، صومالیہ، بوسنیا، ایریٹریا، چیچنیا غرض جہاں جہاں مسلمان دشمنانِ اسلام کے خلاف صف آرا ہیں، شیخ کا دل اُن کے لئے دھڑکتا ہے۔ آپ دنیا کے مختلف علاقوں میں قرآن پاک کے معلم بھجواتے ہیں اور ان کی ماہانہ تنخواہوں کی فراہمی کا اہتمام کرتے ہیں۔ بڑے بڑے تاجر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے عطیات پیش کرتے ہیں۔ جنہیں پوری دنیا تک پہنچانے کے لئے باقاعدہ ایک عظیم سیکرٹریٹ کام کر رہا ہے۔

پچاسی سال عمر ہو جانے کے باوجود شیخ کی زندگی انتہائی مصروف ہے۔ آپ انتہائی استقامت کے ساتھ دعوتِ دین کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کے روزانہ کے معمولات پر نظر ڈالیں تو عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے۔

شیخ کے بارے میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ شب زندہ دار ہیں۔ نماز فجر گھر سے قریب مسجد میں ادا کرنے کے بعد آپ سنت کے مطابق مسجد میں ہی تشریف رکھتے اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ بعض اوقات نمازِ فجر کے دوران اگر امام قراءت کے دوران کوئی ایسی آیات کی تلاوت کرے جن کو سمجھنا لوگوں کے لئے بطور خاص مفید ہو تو شیخ نماز کے فوراً بعد ان آیات کی تشریح فرماتے ہیں۔

سورج طلوع ہونے کے بعد شیخ سنت کے مطابق دو رکعت ادا فرماتے ہیں اور پھر گھر تشریف لے آتے ہیں۔ گھر آکر ناشتہ کرتے ہیں، میری معلومات کی حد تک ناشتہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ کرتے ہیں۔

آپ تقریباً نو بجے اپنے دفتر تشریف لاتے ہیں۔ مختلف ممالک اور سعودی عرب سے آئے ہوئے لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ شیخ ان کا استقبال کرتے ہیں۔ ان کو پاس بٹھاتے اور ان کا احوال، مشکلات اور گزارشات سنتے ہیں۔ آپ کے دائیں اور بائیں جانب کئی سیکرٹری بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایک خط یا درخواست پڑھتا ہے، شیخ اس کا جواب لکھواتے ہیں۔ لوگ آتے ہیں سلام کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی باری پر سوال و جواب ہوتے ہیں۔ ان کے سیکرٹری باری باری مسودات لکھتے جاتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ان خطابات اور جوابات کو کمپیوٹر پر لکھا جا رہا ہوتا ہے۔ شیخ کے سیکرٹری خاص ان پر شیخ کی مہر ثبت کرتے ہیں اور پھر معاملہ شعبۂ بیرونی ڈاک میں یا متعلقہ شعبہ کے حوالہ ہو جاتا ہے۔ اس دوران دنیا بھر کے اسلامی اداروں، تنظیموں اور فتویٰ پوچھنے والوں کی جانب سے ٹیلی فون کالیں آتی رہتی ہیں۔ شیخ ساتھ ہی ساتھ ان کے جوابات دیتے جاتے ہیں۔ تا آنکہ ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ شیخ مسجد میں تشریف لے جاتے ہیں۔ واپسی پر کبھی کبھار اکابر علمائے کرام کی مجالس ہوتی ہیں۔ شیخ ان میں بیٹھتے، فتویٰ دیتے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی آرا اور مشوروں سے نوازتے ہیں۔ بصورتِ دیگر دو اڑھائی بجے تک دفتری معاملات ہی چلتے رہتے ہیں۔ گھر واپس تشریف لاتے ہیں تو گھر کا بڑا ڈرائنگ روم ملاقاتیوں کے ہجوم سے بھرا ہوتا ہے۔ شیخ ابن باز انتہائی فیاض انسان ہیں۔ کبھی ملاقات کا شرف ہو تو آپ سے نام، آپ کا پیشہ، آپ کا ملک پوچھیں گے اور پھر عموماً آپ کو کھانے کی دعوت دیں گے۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم ہے کہ بعض لوگ ان کو "عصر حاضر کا حاتم طائی" کہتے ہیں۔

آپ کے دستر خوان پر امیر، غریب، علماء، طلباء، مفکرین، ادباء، مسافر سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ شیخ کے گھر میں ایک بڑا سا کمرہ ہے جس میں دستر خوان لگا دیئے جاتے ہیں۔ خالص عربی انداز میں بڑے بڑے تھال جن میں چاول اور اوپر گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوتے ہیں جن کے چاروں طرف سلاد کی کٹوریاں، سالن کی چھوٹی چھوٹی پیالیاں، روٹی اور پھل رکھ دیا جاتا ہے۔ مجلس عام میں چائے اور قہوہ کا دور چلتا رہتا ہے۔ خادم آتا ہے اور آکر اشارہ کرتا ہے۔ شیخ اٹھتے ہیں، ساتھ ہی شیخ کی آواز آتی ہے۔ "تفضلوا، الله يحيكم"..... جو خاص مہمان ہوتے ہیں شیخ کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ شیخ کھانے کے دوران آنے والے وفود سے بھی گفتگو فرماتے اور احوال پوچھتے جاتے ہیں۔ پاکستانی باورچی کا کھانا انتہائی لذیذ ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا، اوسطاً چالیس پچاس آدمی تو ہر روز ہی کھانے پر ہوتے ہیں۔ کھانے کے بعد دوبارہ قہوے اور چائے کا دور چلتا ہے۔ اتنے میں عصر کی اذان ہو جاتی ہے۔ عصر کی نماز کے بعد بعض اوقات تھوڑی دیر کے لئے درس دیتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے ہیں اور گھر والوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ بعض اوقات اس دوران شیخ کے سامنے مختلف کتب پڑھی جاتی ہیں۔ مغرب کے بعد سے عشاء تک پھر طالبانِ حق کا ہجوم آپ کی مجلس میں ہوتا ہے۔ لوگوں کے مسائل، درخواستیں، فتاویٰ، ریڈیو کے پروگرام اور مختلف مضامین پر بحث ہوتی رہتی ہے۔ عشاء کے بعد اجتماعی طور پر کھانا ہوتا ہے۔ جتنے بھی حاضرین مجلس ہوں، سب کے سب کھانے میں شریک ہوتے ہیں۔ کھانے کے بعد عود کی خوشبو جلا دی جاتی ہے جس سے کمرہ معطر ہو جاتا ہے۔ کتب سننے اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ رات گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے۔

شیخ صاحب مختلف علاقوں کی مساجد میں تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ حج کے موسم میں شیخ کا پورا عملہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ دنیا بھر سے علمائے کرام اور معزز مہمانوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ تبادلہ خیالات ہوتا ہے اور امتِ مسلمہ کے مسائل کو حل کرنے کی کوششیں جاری وساری رہتی ہیں

شیخ کی دیگر بے شمار خدمات میں جو چیز ان کو ممیز کرتی ہے، وہ ان کی انکساری اور عاجزی ہے۔ وہ بے حد متواضع شخصیت ہیں۔ دعوت کو قبول فرماتے ہیں۔ بعض اوقات غریب طلبا کے گھروں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہیں اور طے شدہ اُمور پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ ابن باز اس وقت عالم اسلام کے سب سے بڑے مفتی شمار ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ آپ کے اکثر اساتذہ حنبلی ہیں اور حنابلہ کے امام احمد بن حنبلؒ، فقیہ سے بڑھ کر محدث ہیں مگر شیخ ابن باز پر کتاب وسنت سے گہری وابستگی کی بنا پر حنابلہ سے زیادہ توسع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ تک کے نام کے ساتھ اثری بھی لکھا جاتا رہا..... شیخ ابن باز اپنے وقت کے محدث ہیں، آپ کتب حدیث میں تصحیح فرماتے اور تخریج کرتے ہیں، ان پر احکامات لگاتے ہیں، آپ کو بلاشبہ بے شمار احادیث حفظ ہیں۔ علم حدیث میں آپ کی دسترس کا اندازہ آپ کے درس میں شرکت کرنے والوں کو خوب ہے۔ احادیث پڑھنے والوں کی جس انداز سے آپ تصحیح فرماتے ہیں اس سے ان کے متحضر علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ ابن باز ممتاز فقیہ ہیں۔ وہ بلاشبہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے جانشین ہیں۔ آپ کا طریقہ بڑا سہل ہے۔ فقہی موشگافیوں میں نہیں پڑتے بلکہ سیدھے سادھے انداز میں لوگوں کو مسائل کا حل بتاتے ہیں۔

شیخ ابن باز حفظہ اللہ نے ایک بڑی تعداد میں چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے اکثر کے بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ان کے مختلف زبانوں میں تراجم پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ ان کے فتاویٰ پر مشتمل کئی جلدیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ حال ہی میں مجلہ الدعوۃ کے زیر انتظام شائع ہونے والی فتاویٰ پر مشتمل کتاب کا اردو ترجمہ راقم الحروف (مکتبہ دارالسلام، الریاض) کی زیر نگرانی شائع ہوا ہے اور یہ شیخ کے فتوؤں کا مجموعہ ہے جو اردو زبان میں شائع ہوا ہے۔ وللہ الحمد!

مفتی اعظم کے سانحہ ارتحال پر خادم حرمین شریفین اور سعودی حکام کو بھیجا جانیوالا تعزیت نامہ
منجانب: حافظ عبد الرحمن مدنی وارا کین جامعہ لاہور الاسلامیہ، مجلس التحقیق الاسلامی، پاکستان

خادم الحرمين الشريفين ملك المملكة العربية السعودية أيده الله بنصره العزيز

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

سمعنا خبر وفاة والدنا سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز مفتي عام المملكة العربية السعودية ببالغ الحزن والاسى..... إنا لله وإنا إليه راجعون.

ولاشك أن هذه الصدمة كارثة مولمة لا تنسى على مر العصور والدهور حيث إنه خسارة عظيمة للعالم الإسلام كما قيل: موت العالِم موت العالَم.

ونحن إذ نرضى بقدر الله وقضائه صابرين محتسبين نعزي أنفسنا وإياكم بقول الله عزّوجل في صدق وفاته صلى الله عليه وسلم ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ﴾ ثم بتسلية رسول الله ﷺ "إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيئ عنده بأجل مسمى....."

كما نسأل الله جل وعلا أن يفسح للمرحوم في قبره ويدخل الفقيد في جناته النعيم ويرشدنا وإياكم التوفيق بمرضياته، إنه سميع قريب مجيب الدعوات ..... اللهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته ،،،

حافظ عبد الرحمن مدني مدير جامعة لاهور الإسلامية

وأمين عام مجلس التحقيق الإسلامي وزملاءه في الجامعة والمجلس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ حسن مدنی
مدیر معاون

نکاح میں والدین کا کردار اور اولاد کے فرائض

حالیہ چند دنوں بعض اسلام بیزار خواتین کے اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے اور اسلام کے خاندانی نظام پر حملہ کرنے کی مذموم کوششوں کے بعد دوبارہ مسئلہ نکاح کے اسلامی احکام نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ عدالتِ عالیہ کے مسلسل فیصلہ جات نے بھی اس ضرورت کو اجاگر کیا ہے..... اس خاص مرحلہ پر چند مخصوص احکامِ اسلامیہ کی بجائے بیسیوں ایسے عوامل اور رویے ہیں جن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن میں اسلامی ولایت عامہ وخاصہ کا تصور، حضانت وکفالت کے مسائل، صلۂ رحمی اور اطاعت والدین کے احکام، اولی الامر کی ذمہ داریاں اور اولاد کے فرائض کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشروں میں صدیوں سے چلے آنے والی قدروں کو بھی اہم حیثیت حاصل ہے۔

زیر نظر مضمون یوں تو خواتین کے ایک اسلامی جریدہ میں چھپنے والی ایک مختصر تحریر کے ردِ عمل میں لکھا گیا لیکن حسن اتفاق سے اس میں مرحلۂ نکاح پر اسلامی تقاضوں کے متعدد اہم گوشے، خاص موزونیت کے ساتھ اجاگر ہو رہے ہیں اور یہ بذات خود ایک مستقل مضمون کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ چونکہ معاملہ بڑا وسیع الاطراف اور سنجیدہ نوعیت کا ہے لہٰذا اس میں طوالت سے بچنے کے لئے زیادہ تر اشاروں اور حوالہ جات ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے..... محدث کے قارئین کے اعلیٰ علمی معیار اور خاص علمی ذوق کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس سے بخوبی استفادہ کر سکیں گے، ان شاء اللہ اسی مسئلے کے چند ایک مزید مباحث کو طوالت کے خوف سے کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھا گیا ہے.....

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے..... آمین!

خواتین میگزین، مارچ ۹۹ء کا شمارہ میرے پیش نظر ہے جس میں نکاح میں "ولی کے کردار اور اولاد کی ذمہ داری" کے موضوع پر محترمہ ام عمارہ صاحبہ نے روشنی ڈالی ہے۔ یہ موضوع اسلامی معاشرے کا ایک سنجیدہ اور دقیق تر موضوع ہے۔ جس میں اگر اسلام کے متوازن ومعتدل رویے کو دقت نظر سے نہ سمجھا جائے تو لامحالہ افراط وتفریط پر مبنی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خواتین میگزین میں، جو تعلیم یافتہ خواتین میں اسلامی جذبے کی آبیاری اور اسلامی حمیت وغیرت کی خوب خوب پاسداری کر رہا ہے اور دورِ حاضر کے الجھے مسائل میں خاتونِ مسلم کو اسلام کی سچی تعبیر کی روشنی مہیا کر رہا ہے، اس موضوع پر ضروری ہے کہ تفصیل سے، آزادانہ بنیادوں پر بحث وتمحیص کی جائے اور اس کے تمام پہلو زیر بحث لائے جائیں تاکہ اس حوالے سے جہاں اسلام کے قابل فخر خاندانی نظام کے مخفی گوشے اُجاگر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو سکیں وہاں یہ روحانی تعلیمات پاکستانی قوم کے گھریلو اطمینان و سکون اور خواتین میں دلی اطمینان و ایقان کا بھی باعث ہوں۔ مجھے بڑے افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ اس موضوع پر زیر نظر مضمون میں پیش کردہ رائے ایک طرف توازن و اعتدال سے عاری ہے تو دوسری طرف اس گھمبیر موضوع کے ضروری تقاضے بھی پورے نہیں کرتی۔ عجب بات یہ ہے کہ خواتین میگزین جس مخصوص طرزِ فکر کی ترجمانی کرتا ہے، اس کے اکابر کی آراء بھی اس مضمون میں پیش کردہ رائے سے مختلف ہیں۔ نہ معلوم اس تضاد کو کیوں محسوس نہیں کیا گیا..... نکاح میں ولی کا کردار ایک کثیر الجہت موضوع ہے جس کے مختلف پہلوؤں کو ہی سامنے رکھ کر اس معاملے میں اسلامی نقطۂ نظر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ موضوع خواتین میگزین کی فکری عمارت کی بنیادی اینٹ ہے، جس کے ماننے یا نہ ماننے سے خواتین میں اباحیت پسندی یا اسلام پسندی کا امتیاز ہو جاتا ہے۔

وَلی کون؟

سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ وَلی کا مفہوم سمجھا جائے۔ انگریزی میں چونکہ اس کا ترجمہ **Gaurdian** کیا جاتا ہے اور عربی میں بھی یہ لفظ مختلف سابقوں، لاحقوں کے ساتھ بعض اوقات غلام و آقا کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ اس لفظ کو پڑھتے ہی یہ تصور اُبھرتا ہے جیسے ایک سخت گیر شخص اپنے زیر دست خواتین کے اُمور میں آزادانہ تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ جب کہ ولی سے مراد اس موقعہ پر وہ سب سے قریبی مرد ہے جو خون، نسب، جذبات اور ذمہ داری ہر لحاظ سے کسی عورت کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے عورت کے والدین، ان کی عدم موجودگی میں چچا، ماموں، حتیٰ کہ بعض صورتوں میں عورت کی اولاد وغیرہ بھی عورت کے ولی ہوتے ہیں۔ چونکہ فی زمانہ تحریکِ نسواں اپنے بامِ عروج پر ہے اور اس کے افکار کی ہر آزاد خیال دانشور جگالی کر رہا ہے، اس لیے انہی مفروضوں کو بار بار سننے کی بنا پر کسی عورت پر اس کے صنفِ مخالف کے کسی فرد کی ذمہ داری چاہے وہ اس کا والد یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، فوراً ہمارے ذہنوں میں صنفی جبر و استبداد کو تازہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ مردوں کی اس ذمہ داری کو اچھے رنگ میں لینے کی بجائے فوراً منفی تاثرات جنم لینا شروع ہو جاتے ہیں۔ جب کہ اس قدر قریبی خونی رشتہ داروں کی بابت رحم دلی اور خلوص و محبت کے ماسوا دوسرے غاصبانہ کردار کی توقع عام مشاہدے کی رو سے بہت کم کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں والدین کا مشفقانہ کردار دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

عورت کو ولی کی ضرورت کیوں؟

اس امر کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟..... اس سوال کے جواب سے پہلے مرد و عورت کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صنفی تجزیے کو سامنے رکھنا اور کارزارِ حیات میں ان کے کردار کو پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تجزیے اکثریت اور عام مشاہدے کی بنا پر ہی حاصل ہوتے ہیں، استثنائی مثالوں یا نوادرات سے عام رویے اور مزاج نہیں بدلا کرتے.....

خواتین میں عموماً جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، وہ جذباتیت پسند واقع ہوئی ہیں اور یہ ان کی فطرت کا خوبصورت پہلو ہے۔ یہی وہ غلبہ ہے جو انہیں ماں بننے اور دوسروں کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم خواتین کی ایک دوسری صفت یہ بیان کرتا ہے اور وہ یہ کہ خواتین مردوں کی بنسبت اپنی جبلت و فطرت کی بنا پر بیک وقت ایک معاملے میں منفی اور مثبت پہلوؤں پر معتدلانہ نظر نہیں رکھ سکتیں، جھگڑا یا اختلاف کے موقع پر بھی دوٹوک انداز میں مسئلہ کا ادراک کر کے اپنے موقف کو پیش کرنے کی بجائے غیر واضح تر اور جذبات سے مغلوب ردّ عمل پیش کرتی ہیں۔ (الزخرف:۱۸)

اسی طرح مردوں کے اس معاشرے میں جہاں اسلام ہر دو اصناف کو ایک خاص فاصلے پر رہنے کی تلقین کرتا ہے، مرد کی بنسبت خواتین صنفِ مخالف کی پوری پوری چھان پھٹک کرنے پر بھی قادر نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ ازیں خواتین میں فطری شرم و حیا کے سبب اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرنا بھی شدید معیوب سمجھا جاتا ہے اور بالفرض اس وقت جبکہ عورت کی طرف سے نکاح کی پیشکش پر مرد اسے قبول نہ کرے تو اس عورت کا ردّ عمل اور اشتعال پر دۂ تخیل میں بھی بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ خواتین کے بارے میں یہ امر بھی معروف ہے کہ ان میں مردوں کے مقابلے میں خاندانی غیرت و حمیت بھی کم ہوتی ہے کیونکہ اپنے نسبی خاندان سے انہیں جلد ہی سسرالی خاندان کی طرف منتقل ہونا ہوتا ہے اگر ان میں نسلی خاندان سے لگاؤ زیادہ ہو تو نئے گھر اور خاندان میں ان کا بس جانا ایک ناممکن الوقوع امر متصور ہوتا۔ بالخصوص رشتۂ نکاح کے بارے میں خواتین شدید جذباتی ہوتی ہیں اور ان کے مرد کے دامِ فریب میں بآسانی آنے کے امکانات بہت قوی ہوتے ہیں..... یہی وہ بنیادی وجوہات ہیں کہ اسلام نے اس معاملے میں ان کے قریب ترین مرد حضرات کو ان کی مدد کا حکم دیا ہے کہ عورتیں اپنا معاملہ خود طے کرنے کی بجائے اپنے والدین کے توسط سے طے کرائیں۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ مرد کے توسط سے ہونے والے معاملے میں آئندہ بصورتِ اختلاف عورت کو قانونی و معاشرتی جنگ لڑنی آسان ہو جائے گی۔ خدانخواستہ اگر اسے واپس طلاق یافتہ صورت میں لوٹنا پڑتا ہے تو اپنے والدین کے دامِ عافیت میں وہ دوبارہ سر چھپا سکے گی۔ یہی والدین دوبارہ اس کے نان و نفقہ اور مناسب بر کی تلاش میں اس کی مدد کریں گے۔

ولی/والدین کے کردار کی حد بندی

"حیاتِ انسانی کی فلاح" کا عادلانہ تعین، انسان کے بس سے باہر کی چیز ہے۔ انسان اپنے تجربے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومشاہدے کی بنیاد پر اگر ایک پہلو کو ترجیح دیتا ہے تو دوسری طرف دوسرا پہلو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے، یورپ اور امریکہ کی کہانی اسی پریشان فکری کی مظہر ہے۔ انہوں نے انسان کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں کا محتاج اور غلام دیکھا اور ان کے معاشرے نے صدیوں اس کی بھیانک مثالیں پیش کیں تو انہوں نے افراط و تفریط کا شکار ہو کر دوسری جانب حقوقِ انسانی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ جس کے شور میں فرائض کا تذکرہ فکر و ذہن سے اوجھل ہو گیا۔ آج حقوقِ انسانی کے بلند بانگ دعوؤں اور نعروں میں مغرب ایک دوسری انتہا کو چھو رہا ہے۔ اور جلد ہی یہ انتہا بھی ایک نئی منزل کی راہ دکھانے والی ہے۔ جس کے بعد پریشان فکر عالم جدید پھر انسانی تجربہ اور مشاہدے کی کسوٹی پر پورا اترنے والی کسی اور منزل کی طرف گامزن ہو جائے گا۔ لیکن افسوس کہ قوموں اور نظریات کے سفر صدیوں پر محیط ہوتے ہیں اور ہر دو انتہاؤں میں ہزاروں مظلوم کچلے جاتے ہیں۔ انسان کے قلب و ذہن اور فکر و تخیل میں وہ وسعت اور قوت نہیں کہ وہ ہمہ گیر اور جامع تر نظامِ عدل و انصاف پیش کر سکے۔ ہر موقع محل کے اعتبار سے مختلف رویہ اور طرزِ فکر اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی جامعیت اور ہمہ گیریت اسلام کا امتیاز ہے جو کون و مکان میں ہر ہر جگہ قابل عمل اور مسائل کا حل ہے۔ اسلام میں ہی وہ وسعت ہے جو ہر مسئلے کا حل انوارِ الٰہی سے کشید کر سکتی ہے۔ "اللہ کا بہت بڑا احسان ہے مسلمانوں پر کہ اس نے حیاتِ انسانی کی فلاح کا معجز نما دین ہمیں عطا فرما دیا۔" (آل عمران: ۱۶۴)

اگر ہمارے ذہن ہی لادین افکار کی بوچھاڑ سے متاثر ہو کر اور ان کے اٹھائے اعتراضات سے آلودہ ہو کر اسلام کی بھی اسی رنگ میں تعبیر شروع کر دیں تو یہ ملتِ اسلامیہ کی بدبختی ہو گی۔ اسلام سے مستفید ہونے کے لیے سب سے پہلے یہ اعتماد و ایقان ضروری ہے کہ ..... "اسلام ہی فلاحِ کل ہے۔"

ہمارے پیش نظر موضوع، نکاح کے بارے میں والدین اور اولاد کے کردار کی حد بندی ہے۔ حقوقِ نسواں کے علمبردار عورت کو یوں ہی مظلوم ٹھہراتے ہیں۔ اسلام میں تو جہاں عورت اپنا شوہر تلاش نہیں کر سکتی وہاں مرد بھی یہ کام خود نہیں کر سکتا۔ اگر مرد و عورت اس مرحلۂ نکاح پر انتخابِ زوج کی ذمہ داری ادا کرنے نکلیں تو لامحالہ ہر دو، صنفِ مخالف کے عشق میں گرفتار ہوئے بغیر انتخاب کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ دونوں صنفوں کے درمیان کشش کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ بالخصوص عمر کے اس موڑ اور زندگی کے خاص مرحلے پر غیر اسلامی پیار و محبت کے سوا یہ کام ہونا ممکن نہیں۔ اور "اسلام نے تو جہاں مرد و عورت ہر دو کیلئے عشق بازی اور خفیہ دوستیوں پر مبنی نکاح حرام کر دیئے ہیں۔" (سورۃ المائدہ: ۵) وہاں اس سے پہلے "مرد و عورت کی آزادانہ ملاقاتیں بھی صریحاً ممنوع ہیں" (حدیث صحیح مسلم: ۹/ ۱۴۴)

اسلامی نظامِ معاشرت میں مرد بھی اس بارے میں اپنی ماں اور بہنوں وغیرہ کا اس قدر زیادہ محتاج

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ان کے بغیر وہ کوئی واضح اور ٹھوس قدم نہیں اٹھا سکتا۔ ہاں اگر زوج کی تلاش جان پہچان والے عزیز واقارب میں ہو تو بہر حال یہ ضرورت لڑکے اور لڑکی ہر دو کے لیے نسبتاً کم ہو جاتی ہے۔ اس آزمائش وانتخاب کے مرحلے میں ہر دو کی برابری کے بعد فرق پیش آتا ہے تو انتخاب کی تکمیل کے موقع پر..... اس موقعہ پر بھی شریعت ہر دو سے اطاعتِ والدین کا تقاضا کرتی ہے۔

واضح رہے کہ اطاعتِ والدین، اللہ کی اطاعت کے بعد دین کا دوسرا اہم ترین تقاضا ہے (سورۂ بنی اسرائیل: ۲۳) یہ صرف احسان و تلقین سے ہی عبارت نہیں بلکہ "والدین کی نافرمانی اکبر الکبائر میں سے ہے" (صحیح بخاری و مسلم) شریعت ہر دو سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کی رضامندی بجا لائیں حتیٰ کہ بعض صورتوں میں خلفاءِ راشدین کے ایسے فیصلے بھی موجود ہیں کہ انہوں نے والدین کی ناراضگی کے باعث شادی شدہ جوڑوں کو طلاق کا حکم صادر فرمایا (سنن ابن ماجہ: ص ۱۴۵) حضرت ابراہیمؑ کے مشہور واقعے کو ذہن میں لائیے جو انہوں نے برسوں بعد اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر تشریف لانے پر اس کی بیوی کو چھوڑ دینے کا حکم (گھر کی چوکھٹ بدلنے کا کہہ کر) دیا تھا..... شریعت اطاعتِ والدین، صلۂ رحمی اور احسان سلوک کے ٹھوس نظام پر مبنی ہے۔

دوسری طرف والدین کو بھی حکم دیا گیا کہ بلاوجہ اپنی من مانیاں نہ کرتے رہیں بلکہ لڑکے اور لڑکی (اولاد) کو اس کا جائز حق استعمال کرنے دیں اگر والد اس کے باوجود اپنی من مانی پر مصر ہے تو عدالت میں جا کر جج، والد سے جواب طلبی اور اظہارِ وجوہ کا تقاضا کر سکتا ہے۔

اس کے بعد اسلام نے بطورِ قانون لڑکے کو تو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کی بات چیت خود چلا سکتا ہے کیونکہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے فطری طور پر بعض خصوصیات اور صنفی رجحانات اس کو اجازت دیتے ہیں۔ لیکن عرف کی رو سے (جس کی اسلامی قانون میں مسلمہ حیثیت ہے) مرد کے لیے بھی یہ امر معیوب ہے کہ وہ اپنے نکاح کی بات چیت خود چلائے۔ دوسری طرف لڑکی کا معاملہ ہے تو یہاں اسلام والدین (ولی) کو اس کی مدد اور اس کی پسند نافذ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عورت کا نکاح اس کی مرضی سے والدین کے توسط سے انجام پاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم (جس کے الفاظ کلامِ الٰہی ہیں اور علماء نے اس کے ایک ایک شوشے سے اور طرزِ تکلم سے بیسیوں مسائل اَخذ کیے ہیں) میں کسی مقام پر بھی نکاح کرنے کی نسبت خواتین کی طرف نہیں کی گئی۔ بلکہ واضح فرق کے ساتھ مردوں کے نکاح کے موقع پر ﴿لَاتَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ﴾ "تم مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو" اور عورت کے نکاح کے موقع پر ﴿لَاتُنْكِحُوا﴾ "اُن کے مردوں کا نکاح مت کریں" اور ﴿وَاَنْكِحُوا﴾ "مردو! تم ان کا نکاح کرو" وغیرہ کے الفاظ ہی ہمیشہ استعمال کیے ہیں۔ (تفصیل کیلئے دیکھیں تفاسیر قرطبی، ابن کثیر، مراغی، طبری اور تفسیر المنار وغیرہ زیر آیات: البقرہ/ ۲۲۱ و ۲۳۲، النور/ ۳۲، قصص/ ۲۷، احزاب/ ۵۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صیغۂ نکاح یعنی عقدِ نکاح کے الفاظ بھی اسی اسلامی ضابطے کی تائید کرتے ہیں۔ نکاح، ایجاب وقبول سے عبارت ہے۔ اِیجَاب کا مطلب ہوتا ہے کہ "ایک کو دوسرے شخص پر واجب کرنا" یعنی والد اپنی بیٹی کی ذمہ داری، دوسرے شخص پر ڈالتا ہے اور شوہر اس کو قبول کرتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ عقد نکاح یعنی معاہدہ میں مرد اور عورت فریق نہیں ہوتے بلکہ عورت کی طرف سے اس کا ولی اور دوسری طرف شوہر ہوتا ہے جب کہ اسرۂ نکاح کے فریق مرد اور عورت ہوتے ہیں اور جو ایجاب وقبول کے بعد وجود میں آتا ہے۔

عقدِ نکاح میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ہی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "عورت نہ اپنا نکاح خود کرے اور نہ دوسری عورت کا کروائے" (سنن ابن ماجہ: ص ۱۳۷) یعنی اس کام کی انجام دہی متعدد حکمتوں کی بنا پر صنفِ نازک پر ڈالی ہی نہیں گئی۔ اسی طرح حضرت عائشہ جو بزرگ ترین ہستی اور ام المومنین ہیں کا رویہ بھی یہی تھا کہ نکاح کی تمام بات چیت طے کر کے عقدِ نکاح کے وقت پیچھے ہٹ جاتیں اور ولی اور شوہر کو عقدِ نکاح منعقد کرنے دیتیں اور فرماتیں إن المرأة لاتلی عقدة النکاح۔ (دار قطنی، سنن الکبریٰ، تفسیر قرطبی، نصب الرایہ) یہی معمول ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر خطاب کا بھی تھا (مصنف عبد الرزاق: ۶/۲۰۰) امام زیلعی کے مطابق "دیگر ازواجِ مطہرات کا طریقہ بھی یہی تھا اور ایسی تمام احادیث صحیح ہیں" (نصب الرایہ: ۳/۱۸۴)

اسلام کے اس حکم کے پس پشت کیا مصلحتیں کارفرما ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن لگے ہاتھوں اُمت کے علمی سرمائے سے اس رائے کا استدلال بھی بالاختصار ملاحظہ فرمالیجئے:

قارئین کرام! آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ اس موضوع کی تائید کرنے والی احادیث کی تعداد ۲۰۰ سے زائد ہے، حتیٰ کہ ائمہ محدثین نے لانکاح إلا بولی (ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا) کی حدیث کو متواتر احادیث کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (احادیثِ متواترہ پر مبنی کتب: الأزهار المتناثرة ص ۱۱ اور نظم المتناثر نمبر ۱۵۷) صحیح بخاری میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ ایسی ضخیم کتب بھی موجود ہیں جو صرف اس حدیث کی تمام اسناد کے ذکر پر مبنی ہیں۔ خلفاءِ راشدین، صحابہ کرام، مفسرین ومحدثین عظام اور ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ نکاح میں والدین کی رضامندی ضروری ہے۔

راقم نے اس موضوع پر اپنی ضخیم کتاب میں، جس میں تمام امہاتِ کتب سے کم وبیش ۵۰۰ حوالہ جات کی عبارتیں جمع کی گئی ہیں، تفصیل سے ان تمام آراء کو قلمبند کیا ہے اور اس پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کی واضح اور دوٹوک وضاحت کی ہے۔

کونسی عقل یہ باور کرتی ہے کہ وہ اسلام جو اللہ کی اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت کا حکم دیتا ہے، اولاد کے جان ومال پر والدین کا پورا حق تسلیم کرتا ہے (ترمذی ۱/۴۹۱، سنن ابن ماجہ ۲/۲۴۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حتیٰ کہ صحیح حدیث کی رُو سے اولاد کے قتل پر بھی والدین کو قصاص کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا (جامع ترمذی: ۲/۵۷) اولاد کی زندگی کے اس اہم ترین موڑ پر ان کی رضامندی کو بیک قلم غیر ضروری قرار دے گا۔

تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں لیکن تکمیل کی غرض سے چند گزارشات توجہ کی متقاضی ہیں:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اپنے ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل، باطل، باطل (یعنی کالعدم) ہے۔" اس حدیث کو سنن ابن ماجہ، ابوداود، ترمذی الام از امام شافعیؒ اور دیگر ۱۰ کتبِ حدیث میں روایت کیا گیا ہے۔ اس صریح حدیث کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عائشہ کا عمل اس کے خلاف تھا جب کہ ایسا نہیں ہے، حضرت عائشہ کا طرزِ عمل پیچھے گزر چکا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کی سند میں موجود امام زہریؒ کی بابت یہ ذکر کیا ہے کہ انہیں اس کی روایت کرنا یاد نہیں رہا۔ جب کہ یہ حدیث دیگر ایسی سندوں سے بھی مروی ہے جن میں امام زہریؒ کا واسطہ نہیں ہے۔ امام زہریؒ کی بابت یہ بات جس جگہ مذکور ہے، اس کی روایت بذاتِ خود بھی درست نہیں کیونکہ اس میں شاذ کونی نامی راوی ضعیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، ابن حبانؒ، حاکمؒ، ابو عوانہؒ، ابن خزیمہؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ زیلعیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۹/۱۹۱)

تمام خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام کے فیصلے بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں۔ دیکھئے فقہ جات حضرت عمرؓ (ص: ۶۵۸) وعثمانؓ (ص: ۳۵۵) اور حضرت علیؓ (سنن کبریٰ ۷/۱۱۲)

نامور فقیہ علامہ ابن منذر کے مطابق "صحابہ کرامؓ کا اس امر پر اجماع ہے کہ والدین کی رضامندی نکاح میں ضروری ہے"۔ (نیل الاوطار: ۶/۱۱۹)

ائمہ اربعہ میں سے تین کا موقف اس ضمن میں بہت شدید ہے کہ وہ نکاح میں والدین کی رضامندی کو از بس ضروری خیال کرتے ہیں جب کہ حنفی فقہ کے بارے میں کچھ تفصیل ہے۔ فی زمانہ حنفی فقہا کا موقف، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگردانِ رشید (صاحبینؒ) سے قدرے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نامور حنفی علماء مثلاً علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ زیلعیؒ وغیرہ نے جو دونوں حدیثِ نبوی کا خاص ذوق رکھتے تھے موجودہ حنفی موقف کی تردید کی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی کتاب جامع المسانید میں خود نبی اکرمؐ کی یہ حدیث درج کی ہے کہ "ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ جو نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے"۔ یہی حدیث امام صاحب سے ان کے شاگرد حسن بن زیادؒ نے بھی روایت کی ہے (ملاحظہ ہو فتح القدیر: ۳/۲۵۵)..... جبکہ امام صاحب کے شاگردِ رشید امام محمد کا موقف حنفی فقہ کی معروف کتاب بدائع الصنائع میں یوں ہے:

"عورت کے لیے ولی کی اجازت (رضامندی) کے بغیر نکاح کرنا حرام ہے، اگر ایسا نکاح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے تو ولی کی اجازت سے قبل ملاپ حرام ہے، نہ ہی ان میں طلاق ہوگی، نہ ظہار و ایلاء۔ اگر ولی کی اجازت سے قبل زوجین سے کوئی مر جائے تو دوسرا اس کا وارث بھی نہ ہوگا"

حنفی فقہ کی نامور کتاب ہدایہ میں قاضی ابو یوسفؒ کا بھی یہ موقف ذکر کیا گیا ہے کہ "نکاح ولی کے بغیر منعقد ہی نہیں ہوتا"۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو دو حنفی فقہا کرخیؒ اور طحاویؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے قاضی ابو یوسف کے بارے میں اسی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔ (ص ۳/۲۵۹)

بڑے اختصار کے ساتھ یہاں فقہ اسلامی کی بنیادی کتب کے حوالے درج کر دیے گئے ہیں۔ عصر حاضر کے علماءِ اسلام کا موقف بھی اگر بالاختصار درج کر دیا جائے تو مفید ہوگا:

شاہ ولی اللہ کا موقف بھی یہی ہے کہ نکاح میں والدین کی رضامندی از بس ضروری ہے۔ آپ حجۃ اللہ البالغۃ میں اس کی متعدد حکمتیں بھی بیان کرتے ہیں، حجۃ اللہ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"نکاح کے بارے میں صرف عورتوں کا فیصلہ اس لیے کافی نہیں کہ وہ بھرپور معلومات والی نہیں ہوتیں۔ غلط فہمی کا شکار ہو کر بہت دفعہ مصالح کو نظر انداز کر دیتی ہیں بالخصوص اکثر خاندانی وقار کا دھیان نہیں رکھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات وہ کم تر حسب و نسب میں دلچسپی بھی رکھ لیتی ہیں جو اس کی برادری کے لیے شرم و عار کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نکاح میں ان کے اولیاء (سرپرستوں) کو دخیل کیا جائے تاکہ خرابی کا راستہ بند ہو جائے۔ نیز طبعی تقاضوں کی بنا پر لوگوں کا یہ عام رواج بھی ہے کہ مرد عورتوں کے نگران و نگہبان ہوتے ہیں کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں برتری دی ہے، معاملات کے فیصلے بھی ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور اخراجات کے ذمہ دار بھی وہی ہوتے ہیں۔ عورتیں تو ان کے ماتحت ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مرد عورتوں کے نگران ہیں کیونکہ انسانوں میں سے بعض اصناف کو اللہ تعالیٰ نے دوسری اصناف پر (اس لحاظ سے) برتری دی ہے۔ (النساء: ۳۴)

عورتوں کے نکاح میں ولی کی شرط مردوں کے اختیارات پر زور دینے کے لیے ہی ہے کیونکہ اگر عورتیں کپڑے جھاڑ کر اس کام کو خود کرنے کے درپے ہو جائیں تو یہ بے شرمی کی بات ہوگی اور مردوں کی پروا کیے بغیر ان پر چڑھ دوڑنا ہوگا۔ نیز نکاح کو شہرت دے کر بدکاری سے ممتاز کر دکھانا بھی ضروری ہے اور تشہیر کی بہترین صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت سرپرست (ولی) موجود ہوں۔" (حجۃ اللہ البالغہ: ج ۲، ص ۱۲۷)

جماعتِ اسلامی کے قائد سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "مشرک مردوں سے اپنی عورتوں کے نکاح نہ کرو"

اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مرد تو اپنا نکاح خود کر لینے کا مختار ہے لیکن عورت اس معاملہ میں بالکل آزاد نہیں ہے۔ اسے کسی کے نکاح میں دینا اس کے اولیاء کا کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث "الأیم أحق بنفسها دون ولیها ولا تنکح البکر حتی تستأذن" کی رو سے نکاح کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے اور کسی کو اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دینے کا حق حاصل نہیں۔ مگر چونکہ عورت کے نکاح کا مسئلہ خاندان کے مفاد سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ شادی کے معاملہ میں تنہا عورت کی پسند اور خواہش کافی نہ ہو بلکہ ساتھ ساتھ اس کے رشتہ دار مردوں کی رائے کو بھی اس میں شریک کیا جائے" (حقوق الزوجین، ص ۹۸)

معروف مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ لکھتے ہیں:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾

"اور اپنی عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں"

"لا تنکحوا" خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ غور کریں کہ حکم خود عورتوں کو براہِ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ یہ طرزِ خطاب بہت پر معنی ہے اور صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطے سے ہی ہونا چاہیے" (ترجمہ و تفسیر: ص ۸۹)

اصل بات یہ ہے کہ نکاح میں والدین کی رضامندی اسلام کے خاندانی نظام کی ایک بنیادی کڑی ہے۔ اسلامی خاندان ایک نظم وضبط میں پرویا ہوا ہے، جس کا سربراہ مرد ہے۔ وہ معاشرے کے ابتدائی یونٹ (خاندان) میں ہر سیاہ وسفید کا ذمہ دار ہے اور گھر کا ہر ایک فرد اس کا پابند ہے۔ (دیکھئے حدیث نبویؐ..... والد اپنے گھر کا ذمہ دار ہے، صحیح بخاری: ۳/۱۱۵) یہ کوئی جابرانہ تقاضا نہیں بلکہ نظم وضبط کا فطری نظام ہے جس کو خالق کائنات نے توازن واعتدال کے ساتھ انسانی فطرت میں سما کر لاگو فرما دیا ہے۔ جبکہ حقوقِ انسانی کے خوشنما نعرے میں ایک ایسے مکمل نظام کو سندِ جواز مل جاتی ہے جو والدین کے احترام واطاعت اور رشتہ داریوں میں قرب وصلہ رحمی اور ذمہ داری کے تصورات سے بالکل عاری ہے۔

لیکن یہاں والدین پر بھی چند ذمہ داریاں لاگو ہوتی ہیں۔ یوں تو ایسے معاملات میں والدین کی ذاتی پسند وناپسند کا شکار لڑکے اور لڑکیاں ہر دو ہی ہوتے ہیں۔ لیکن لڑکیاں اس معاملے میں خاموشی اختیار کرنے اور فطری کمزوری وشرافت کی بنا پر اس سے زیادہ متاثر دکھائی دیتی ہیں۔ والدین یا تو انسان ہونے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ناطے اولاد کی بابت زیادہ توقعات وابستہ کر کے ان کے حق میں دخیل ہو جاتے ہیں یا اپنی اعلیٰ بصیرت و دانائی کی وجہ سے وہ جس کو پسند کرتے ہیں، اولاد اس سے مطمئن نہیں ہوتی۔

اولاد کی طرف سے بھی ایک سنگین غلطی اکثر اس بدمزگی اور حکم عدولی کی وجہ بنتی ہے اور وہ ہے عشق بازی کی تربیت اور مواقع فراہم کرنے والا ہمارا معاشرہ اور ثقافت۔ جوان لڑکے لڑکیاں بھی اکثر عشق و محبت کے چکر میں پڑ کر ظاہری آسائش و آرائش اور حسن و زیبائش کے دامِ فریب میں آ کر خیالوں کی جنت بسا بیٹھتے ہیں، بس یہیں سے تناؤ اور کشمکش کی کیفیت شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن شریعت کی تعلیمات ہمارے لیے اصل کسوٹی اور نشانِ راہ ہیں۔ شریعت ایک خاص مرحلۂ عمر کے بعد ہر انسان کو ایک مخصوص خود اعتباری اور شناخت عطا کرتی ہے جس کو عموماً والدین بھی ملحوظ نہیں رکھتے۔ شریعت اگر کسی انسان کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لا سکتا ہے تو واقعتاً شریعت اس وقت اس میں مطلوبہ اہلیت پاتی ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔ شریعت کے دیئے گئے اختیارات اور حقوق و فرائض ہی اصل انصاف و عدل ہیں، باقی سب انسان کے افراط و تفریط کے پروردہ جذبات و احساسات ہیں جنہیں شریعت کی حد بندیوں سے مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔ شریعت ایک طرف عشق و محبت کے نام پر پنپنے والی بدمستیوں کی بھی شدید مخالف ہے بلکہ مرد و عورت کے آزادانہ میل ملاپ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے تو دوسری طرف ہر ایک کو جائز طور پر اپنے دائرہ کار میں مصروف اور مفید ہونے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔

راقم اس بارے میں انصاف کے ساتھ جو کچھ سمجھ سکا ہے، وہ یہ ہے کہ شادی بیاہ جس لڑکے اور لڑکی کا ہونا ہے، اصل اہمیت بھی اسی کی پسند و ناپسند کو حاصل ہے۔ لازمی ہے کہ وہ اپنے احساسات و جذبات کو خلافِ شریعت امور سے آلودہ کر کے فیصلہ نہ کرے۔ والدین کو اس موقعہ پر لڑکے کے لیے کچھ کم اور لڑکی کے لیے قدرے زیادہ طور پر اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے ان کی پسند کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ مخلص و مربی ہونے کے ناطے وہ اُسے زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کر سکتے ہیں، اس کی نو آموز نگاہوں کو ان مناظر سے بھی آشنا کرا سکتے ہیں جو ایک حقیقت بن کر دنیا میں موجود ہیں اور شادی شدہ زندگی میں سامنے آنے والے ہیں لیکن فیصلے کا مدار لڑکی اور لڑکے کی پسند پر ہونا چاہیے کہ زندگی انہیں گزارنا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ یہ شرعی حق اس صورت میں اولاد کو حاصل ہوتا ہے جب وہ بھی شرع کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ اگر وہ عشق و محبت اور بے راہ روی کے مرتکب ہوئے ہیں تو قوتِ نافذہ شریعت نے والدین کے حق میں رکھی ہے، چیک اینڈ بیلنس کا نظام والد کے ہاتھ میں ہے جو ادارۂ خاندان کا سربراہ و منصف ہے۔ شریعت نے بھی زوج کے انتخاب کے لیے بزبانِ نبی کریم ﷺ واضح ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ "نکاح، مال و دولت، حسب و نسب، حسن و جمال اور خلق و دینداری کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ کامیاب ہونا چاہتے ہو تو دینداری کی بنا پر فیصلہ کرو۔" (صحیح بخاری: ۵۰۹۰) ایک اور حدیث

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یوں ہے کہ "جس کے تم خلق اور دینداری پر راضی ہو، اس سے نکاح کر دو۔" (ترمذی: ۱۰۰۴)

ان شرعی مصالح و مقاصد کی تکمیل کرانے کا ذمہ دار بھی گھر میں والد ہی ہے۔ غرض اولاد کا یہ حق شرعی حدود کا پابند ہے..... شریعت ایک مکمل نظامِ حیات کا نام ہے، ایک شرعی تصور اگر یہاں واضح نہ ہوا تو بات ادھوری رہ جائے گی:

اسلام نے ہر شعبۂ زندگی میں ایک مربوط نظام دیا ہے، جس کی رو سے بعض لوگ سربراہ ہیں اور بعض ماتحت۔ یہ اصول دنیا میں بھی ہر ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔ نظم وضبط کا والہ وشیدا اسلام زیردستوں کو جہاں بیسیوں ہدایات دیتا ہے وہاں حکام اور بااختیار افراد کو بھی کڑی تنبیہات دیتا ہے۔ مثال کے طور پر خاندان (جو معاشرہ، حکومت اور ریاست کا بنیادی یونٹ ہے) میں اولاد اور والدین، شوہر اور بیوی اور حاکم ورعایا کے مابین ایک سے اسلامی اصول کارفرما ہیں۔ اولاد کو ہر حال میں والدین کی اطاعت گزاری کرنا ہے حتیٰ کہ اگر وہ زیادتی بھی کریں تو اُف نہیں کہنا، شرک کا تقاضا کریں تو شرک تو نہ کیا جائے لیکن باقی ہر طرح ان کی اطاعت بجالائی جائے۔ (سورۂ لقمان: ۱۵) بیوی کے لیے خاوند کو سجدہ کرنے کی حد تک اطاعت کی مشروط تلقین موجود ہے۔ (ترمذی: ۱۰۷۹) اسی طرح رعایا کو اپنے حاکم کی ہر امر میں اطاعت ضروری ہے۔ حاکم کو اس وقت تک شریعت کا دیا گیا یہ حق فرمانروائی حاصل رہے گا جب تک وہ اس شریعت کے بعض مخصوص شعارات کی پیروی کرتا رہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام ماتحتوں کی طرف سے کسی حکم عدولی یا بدنظمی کا روادار نہیں ہے۔ اور یہاں حکام وذمہ دار کو قوتِ نافذہ اور ظاہری تائید عطا کی گئی ہے۔ ذمہ داری کا یہی نظام اس حدیثِ نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔ "تم میں ہر شخص مسئول ہے اور اس کی مسئولیت کی بابت اس سے پوچھا جائے گا....." (صحیح بخاری: ۳/۱۱۵)

دوسری طرف مسئولین اگر زیادتی کریں تو ان کے احتساب کا معاملہ اللہ نے عموماً روزِ قیامت پر اُٹھا رکھا ہے۔ ان کے لیے ایسی شدید تنبیہات ہیں جو رونگٹے کھڑے کر دیتی ہیں۔ ذرا جج حضرات کے لیے اس تنبیہ کو ذہن میں لائیے: "جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا گیا گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا" (ترمذی: ۱۳۲۷)..... ذرا حکام کی مسئولیت کا خیال ذہن میں لائیے جس سے حضرت عمرؓ کا رُواں رُواں کانپ اُٹھتا، فرمانِ نبویؐ ہے: "جو حاکم اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ لوگوں کے حق میں ناانصافی کا مرتکب تھا تو اس پر جنت حرام کر دی گئی" (مسلم: ۲۰۳)..... ذرا اُن نام نہاد ریاکار علماء کا تصور ذہن میں لائیں جن کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے وَیل میں پھینکے جانے کی نوید دی جا رہی ہے ..... لیکن نظم وضبط پر مبنی اسلامی معاشرہ میں مسئول کو ایک ظاہری تائید سے نوازا گیا ہے اور اس کا محاسبہ شدید اور کڑی دھمکیوں سے کیا گیا ہے۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ ظلم روا رکھنے پر ذرا کم تر درجے کے مسئول کے خلاف اس کے ماتحت، عدالتِ اسلامیہ سے دادرسی کر کے کچھ مداوا کر سکتے ہیں لیکن نہ ہی ہر معاملہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدالت میں لے جایا جاتا ہے، نہ ہی یہ اسلام کا منشا ہے۔ اسلام داخلی خود احتسابی کا پروگرام پیش کرتا ہے، اس میں یوں بھی نہیں کہ اہل مغرب کی طرح ہر چیز کی ذمہ دار حکومت ہے بلکہ ہر ہر فرد اپنے آپ پر اور اپنے ماتحتوں کا خود ذمہ دار ہے اور ہر نچلی اکائی کامل تر ہو کر بڑی اکائی میں داخل ہوتی ہے۔

نکاح کے معاملے میں لڑکی (اولاد) کے حقوق

میرے پیش نظر مضمون جسے اُم عمارہ نے تحریر کیا ہے، میں اکثر مواد اور بحث اسی موضوع سے کی گئی ہے اور یہی وہ عدم توازن ہے جو محترمہ کے مضمون کا صحیح تاثر پیش کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ جب معاملہ پیچیدہ ہو اور اس میں ایک سے زیادہ فریق ہوں، بیسیوں دیگر عناصر و عوامل کار فرما ہوں اور اس کا دائرہ کار اجتماعی حیاتِ انسانی کو شامل ہو اور موضوع کا تعلق بھی ایسے کلیدی مسئلے سے ہو جس پر کسی فکر کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے تو وہاں تشنۂ مباحث کی اشاعت پریشان فکری کی طرف لے جاتی ہے۔

غالباً محترمہ نے یہ تحریر کسی ایک طرف سے متاثر ہو کر لکھی ہے یا محترمہ ردِّ عمل کا شکار ہیں تب ہی ان کی تحریر میں جانبداری کا عنصر قدرے نمایاں ہے۔ انہوں نے بعض احادیث کے ترجمے اور متن میں ایسی باتیں شامل کر دی ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔

اسلام میں جہاں یہ امر متفقہ ہے کہ نکاح میں والدین کی رضامندی ضروری ہے، وہاں اس سے بھی زیادہ اس امر پر اتفاق موجود ہے کہ نکاح میں لڑکی (اور لڑکے) کی رضامندی از بس ضروری ہے اور زبردستی کیا جانے والا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر بھی حدیثِ نبوی کے ذخیرے میں متعدد احادیث ملتی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر محترمہ نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ لیکن ان احادیث سے یہ مطلب اَخذ کر لینا بھی سراسر انتہا پسندی ہے کہ لڑکی کی رضامندی کے نام پر والدین کی یا ولی کی شرکت کوئی ضروری امر نہیں اور یہ محض اضافی تکلف ہے یا والدین کی شرکت نکاح میں فقط پسندیدہ امر ہے اور لڑکی کو اپنے نکاح کرنے کے جملہ حقوق خود حاصل ہیں۔ بیان کردہ احادیث سے قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ احادیث اور دیگر نصوصِ شریعت کے بارے میں یہ بات ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے کہ شریعت ہر معاملے میں ایک مستقل نظام دیتی ہے جو صرف ایک یا دو عبارتوں میں مکمل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ کسی موضوع پر تمام ذخیرۂ احادیث و قرآن کو جمع کر کے ہی ایک صحیح رائے تک پہنچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ دوسری طرف کی احادیث کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ ورنہ یہ اسلام کی درست ترجمانی نہیں بلکہ شریعت کے نام پر افراط و تفریط ہوگا۔ یہاں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی اس عبارت کا تذکرہ مناسب ہوگا جس میں امام ابو حنیفہ کے موقف کی شرح کرتے ہوئے انہوں نے اسی رائے کی تائید کی ہے:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب ولی اور عورت کی رائے میں تضاد پایا جائے تو عورت کی رضامندی کی اہمیت ہوگی۔ اگرچہ عورت اپنی ولی کی رضامندی حاصل کرنے کی پابند ہے، اس طرح ولی عورت کی رضامندی حاصل کرنے کا بھی پابند ہے۔ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر دونوں کی رضامندی انتہائی ضروری ہے اور کسی کی ہٹ دھرمی قابل قبول نہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث لانکاح إلا بولي حسن (معتبر) ہے اور کئی محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس مسئلہ میں تحقیق پر مبنی رائے یہ ہے، جو بحث و تمحیص کے بعد ثابت شدہ ہے کہ شریعت میں ہر وہ کام جو جماعت سے تعلق رکھتا ہو اس میں طرفین کی احادیث کو جمع کر کے دونوں کے مقصود پر عمل کیا جائے۔ ایسی صورتوں میں سے ایک نکاح بھی ہے۔ اس میں دونوں طرح کی احادیث وارد ہیں جب عورتوں کو مخاطب کیا تو انہیں بتایا کہ ان پر ان کے اولیاء کا حق ہے۔ حتیٰ کہ یہ خطرہ ہو گیا کہ عورتوں کا کوئی حق باقی نہیں رہا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل" اس تکرار کا مقصد ولی کی اجازت کی ضروری تاکید اور مبالغہ ہے اور جب اولیاء کی طرف توجہ فرمائی تو انہیں فرمایا کہ "الأيم أحق بنفسها من وليها" گویا کہ ولی کا کوئی جبر نہیں۔ تو ان دونوں طرح کی حدیثوں میں ہر ایک میں ایک حصہ بیان ہوا اور اصل مقصد دونوں پر اکٹھا عمل کرنا ہے۔..... دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ولی عورت کی رضامندی کو پیش نظر رکھے اور عورت ولی کی اجازت اور نکاح میں ولی کی شراکت کا اہتمام کرے۔ نہ عورتیں مردوں کی حدود سے آگے جائیں اور نہ مرد عورتوں پر زیادتی کریں۔

کیا ولی کی اجازت بطور مصلحت پیش نظر ہے یا عورت کے حق کا خیال رکھا گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ولی کا حق ہے اور اسی کی مصلحت کے پیش نظر ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ عورت کی مصلحت کے لیے ہے کیونکہ عورت ناقص معلومات والی اور کمزور سوچ والی واقع ہوئی ہے، اکثر اپنی مصلحت نہیں سمجھتی اور نہ ہی حسب و نسب کی حفاظت کر سکتی ہے۔ غیر کفو (مرتبہ میں کمتر) کی طرف راغب ہو جاتی ہے جس سے اسکے ولی کو عار لاحق ہوتی ہے لہٰذا ولی کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ یہ دروازہ بند ہو جائے۔" (فیض الباری شرح البخاری ۴/ ۲۸۲ تا ۲۸۷)

اس ضمن میں چند ایک اُمور خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

۱۔ محترمہ نے لکھا ہے کہ "والدین / ولی کی نکاح میں شرکت ہونی چاہئے۔" یہ تائیدی جملہ ان شرعی مقاصد کی قطعاً تکمیل نہیں کرتا جو اس موقع پر والدین کی شرکت کے بغیر پورے نہیں ہوتے۔ یہ مان لئے بنا چارہ نہیں کہ جس طرح لڑکی (اور لڑکے) کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، اسی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح والدین یا ولی کی عدمِ شرکت بھی نکاح کو باطل کر دینے کو کافی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی دلائل پیچھے گزر چکے ہیں۔

۲۔ محترمہ اُم عمارہ نے اپنے مضمون میں سنن ابن ماجہ سے حضرت بریدہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے والد کے کروائے نکاح پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو آپ نے نکاح کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ سن کر عورت نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا کہ "میں عورتوں کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ نکاح کے معاملے میں باپ دادا کا کوئی ہاتھ نہیں"

یہ حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے اور ابتدائی حصے تک درست ہے لیکن آخری جملہ "میں بتا دینا چاہتی ہوں....." ابن ماجہ میں ہے لیکن یہ جملہ صحتِ سند کے ساتھ ثابت نہ ہو سکا ہے۔ (ضعیف سنن ابن ماجہ: ص ۱۴۵) چنانچہ آخری ٹکڑا حدیثِ نبوی کے الفاظ نہیں یعنی حدیثِ تقریری کا جز نہیں۔

۳۔ مضمون کی ابتدا میں صحیح مسلم کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے کہ "مطلقہ اور بیوہ عورت سے زیادہ ولی کا اختیار نہیں ہے۔ اور کنواری عورت کی اجازت ضروری ہے"

اس حدیث سے ولی کے اختیار کو کمتر قرار دینا بھی درست نہیں۔ اول یہاں مطلقہ اور بیوہ کے لئے اَیِّم کا لفظ ہے جو شوہر دیدہ عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کے مقابلے میں، بعد میں کنواری کا تذکرہ بھی حدیث میں موجود ہے..... اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنواری اور شوہر دیدہ (مطلقہ یا بیوہ) عورت کے احکامات میں قدرے فرق ہے:

پہلا فرق یہ ہے کہ اَیِّم عورت کی رضامندی فقط خاموشی سے کافی نہیں۔ جبکہ کنواری کے زیادہ حیادار ہونے کی وجہ سے اس کی خاموشی جو اثبات کی مؤید ہو، سے ہی نکاح کی رضامندی سمجھی جا سکتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ یہاں اَیِّم کے لئے احقّ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اَیِّم، ولی سے زیادہ حقدار ہے۔ اس کا مطلب اس کتاب صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ کی زبانی سنئے:

"اَحق کا لفظ اَیِّم اور وَلی دونوں کے حق کو بیان کر کے اَیِّم کے حق کی فوقیت کو بیان کر رہا ہے۔ یعنی اس میں ولی کے حق کی نفی نہیں بلکہ کمتری واضح کی جا رہی ہے"

مشہور حنفی محدث علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

"نبی کریم نے اَیِّم کیلئے حق ٹھہرایا ہے اور اسے زیادہ حقدار کے طور پر پیش کیا ہے جبکہ نکاح کروانا ولی کی ہی ذمہ داری ہے اور اسے عورت کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں کرنا چاہئے"

مطلب یہ ہوا کہ اَیِّم عورت چونکہ تجربہ کار ہوتی ہے اور معاملے کو سمجھتی ہے لہٰذا اب ولی پر اس کی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔ جبکہ کنواری کے بارے میں ولی اجازت لینے کے بعد قدرے زیادہ حق رکھتا ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاصۂ کلام

اس ساری بحث سے یہ بات بالکل سامنے آجاتی ہے کہ نکاح میں والدین کا کردار یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کے نکاح کو منعقد کروائیں یعنی اولاد کی مرضی پر مبنی نکاح والدین کے توسط سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے تاکہ بالخصوص لڑکی کسی وقتی جذبے یا بے وقوفی کا شکار ہو کر غلطی نہ کر بیٹھے اور والد بھی اپنی لڑکی کے نفع و نقصان کا خود خوب تجزیہ کرلے کیونکہ بصورت طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد اس کی بیٹی کی کفالت اور رہائش وغیرہ کی ذمہ داری والد کی طرف ہی لوٹنے والی ہے۔ زندگی کا یہ اہم ترین معاملہ والدین اور اولاد کی باہمی رضامندی سے ہی طے پانا ضروری ہے اور شریعت نے ہر دو کے حقوق کو اس میں پوری طرح محفوظ کر دیا ہے..... اس بحث کا خلاصہ ہم ایک جملہ میں یوں نکالتے ہیں کہ "اسلام میں اولاد کا نکاح، ان کی رضامندی سے والدین کے ذریعے منعقد ہوتا ہے"۔ رضامندی کا مطلب قطعاً یہ نہ سمجھا جائے کہ اولاد انتخاب کے مراحل سے خود گزر کر آخر میں والدین کو شامل کرلے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عرف روایت اور اسلام کی رُو سے زوج کی چھان پھٹک اور اس حوالے سے مختلف امکانات کا جائزہ والدین کی ذمہ داری ہے جس کو حتمی نتیجے پر پہنچانے سے قبل وہ اولاد سے بھی رضامندی حاصل کرنے کے پابند ہیں۔

یہ تو وہ تمام قانونی بحث ہے جس کی حد بندی شریعت مطہرہ نے اختلاف پڑنے کی صورت میں واضح کر دی ہے، لیکن اگر اولاد اور والدین میں اعتماد کا رشتہ ہے اور جیسا کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو ان باریکیوں میں پڑے بغیر بھی یہ مرحلۂ نکاح خوش اسلوبی سے انجام پاسکتا ہے۔ لیکن ہر دو فریق کے سامنے شرعی تقاضے واضح رہنے چاہئیں اور انہیں دوسرے کی حق تلفی سے از خود گریز کی راہ اپنانی چاہئے۔

اس موضوع پر جناب نعیم صدیقی کا معاشرتی تجزیہ پر مبنی ایک خوبصورت کتابچہ ہے جس کے ایک اقتباس پر میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ جناب صدیقی نے یہاں لڑکی کے لئے حق قبول کر کے اس حق کی استعمال دہی پر ولی کو نگران بتایا ہے کہ یہ حق اس کے ذریعے استعمال کیا جائے:

> والدین اور اولاد کے اشتراک کی نوعیت اس مثال سے سمجھئے..... "مثلاً آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک فرم کے ملازم کا یہ قانونی طور پر طے شدہ حق ہے کہ وہ پندرہ دن کی بلا تنخواہ چھٹی ہر سال لے سکتا ہے یا ایک سے زائد سالوں کی چھٹیاں اکٹھی کر سکتا ہے۔ مگر طریقہ یہ نہیں کہ وہ چھٹی کا فیصلہ گھر بیٹھے یکایک کسی بھی تاریخ کو کرلے اور اپنے کسی افسر یا منیجر کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دے، کیونکہ یہ اس کا حق ہے جسے کوئی شخص منسوخ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ منیجر کو درخواست دے اور چھٹیوں کی تاریخیں لکھے اور پھر اس کی منظوری ملنے پر چھٹیاں منائے۔ منیجر یا اس کا سیکرٹری اس سے بات کرے گا کہ خاص ان تاریخوں میں مشکلات یہ ہیں کہ ۲۲/ افراد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے ہی چھٹی پر ہیں۔ بروئے قواعد اتنے افراد کو اکٹھے چھٹی نہیں مل سکتی۔ (سوائے کسی خاص ہنگامی حادثے یا قومی ضرورت کے) دوسرے، ہمیں چند دن غور کر کے پندرہ دن کے لیے دفتریا فرم کا انتظام سوچنا ہے، ابھی دو چار دن تم ٹھہر جاؤ۔

دیکھئے اس ملازم کا حق بھی واضح طور پر تسلیم شدہ ہے، مگر وہ منیجر سے بالا اقدام نہیں کر سکتا بلکہ دونوں میں مشورہ ہوتا ہے اور کوئی درمیانی صورت طے ہو جاتی ہے۔ مثلاً تم ۱۰ دن بعد رخصت شروع کرو، یا فی الحال تو ایک ہی ہفتہ کی چھٹی لو، باقی پھر لے لینا۔

ملازم کا حق قطعی ہے اور فائق، مگر اس پر عمل منیجر کے مشورے ہی سے ہوگا اور بغیر کسی نزاع کے ہوگا۔ لڑکی اور ولی کے باہمی حقوق کی نوعیت بھی یوں ہی ہے۔

یہی بات ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ الایم أحق بنفسها اس حقیقت کے باوجود ولی کی حیثیت ہے اور قائم ہے اور دونوں کو أیّم کے اختیار، انتخاب شوہر میں آزادی کے ساتھ ساتھ أن یستأمر کا حکم ولی کو ہے، یعنی ولی "پارٹ اینڈ پارسل" ہے نکاح کی کاروائی کا، اگرچہ أیم کی رائے کو جبراً وہ بدل نہیں سکتا ہے۔ لیکن نکاح سے پہلے ہفتہ، مہینہ یا کچھ عرصہ وہ اس مسئلے پر مشورہ کریں گے اور مجوزہ شوہر کے متعلق یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ اس کے کیا کیا اثرات خاندان پر یا گھر پر پڑیں گے، یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ اس کے گھر کا نقشہ کیا ہے اور اس کے خاندان کے حالات کیا ہیں۔ ولی تعاون کرے گا، جبر نہیں کرے گا۔ مگر عقل یہ کہتی ہے کہ شریعت ایسا ہی چاہتی ہے۔"

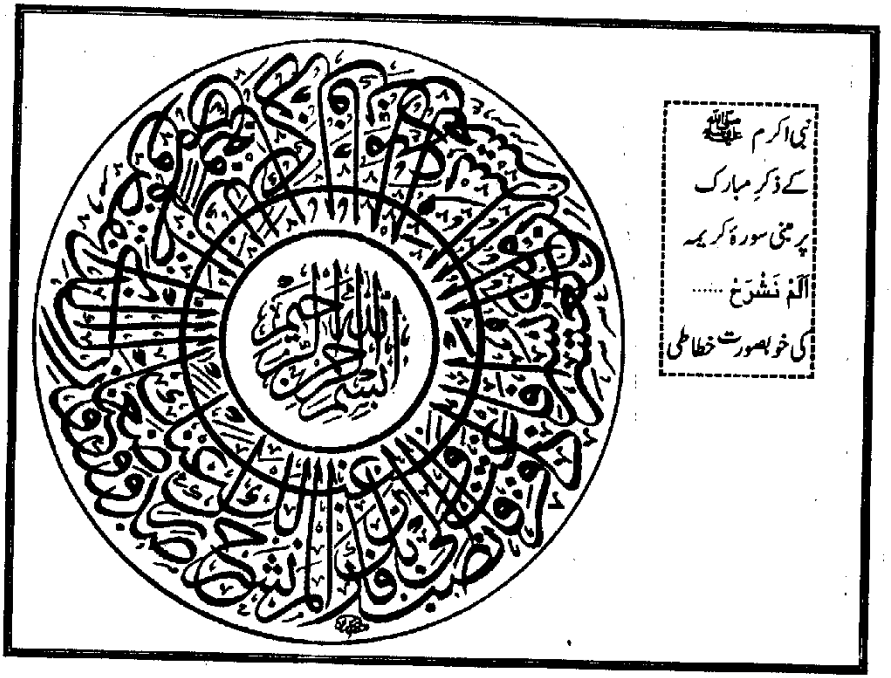

نبی اکرم ﷺ کے ذکرِ مبارک پر مبنی سورۂ کریمہ اَلَمْ نَشْرَحْ ..... کی خوبصورت خطاطی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتنۂ مغرب زدگی

محمد عطاء اللہ صدیقی☆

غیرت کا قتل

تہذیبی، قانونی اور اسلامی اقدار کی روشنی میں

جنسی آوارگی کو انسانی جبلت قرار دینے والا مغرب، اسلامی اور ایشیائی معاشروں میں غیرت و حمیت کے تصور کے معروضی اِدراک سے اگر معذور ہے تو یہ امر تعجب کا باعث نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یورپ کی زبانوں میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں ہے جسے صحیح معنوں میں "غیرت" کا مترادف قرار دیا جاسکے۔ لیکن پاکستان میں انسانی حقوق کے انتھک منادوں کی طرف سے "غیرت کے نام پر قتل" کے لئے سزائے موت کا اگر مطالبہ کیا جاتا ہے تو یقیناً اسے ان کی مریضانہ مغرب زدگی سے تعبیر کیا جانا چاہئے۔

گذشتہ کئی برسوں سے مغرب کے سرمائے سے پاکستان میں چلائی جانے والی انسانی حقوق کی علمبردار NGOs کی طرف سے مسلسل یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ غیرت کے نام پر قتل کے لئے سزائے موت کا قانون تشکیل دیا جائے۔ اگست ۱۹۹۷ء میں سپریم کورٹ کے معزز جج اسلم ناصر زاہد کی سربراہی میں قائم کردہ "خواتین حقوق کمیشن" نے مفصل سفارشات پیش کیں تو اس میں ایک سفارش یہ کی گئی:

> "غیرت کے مسئلہ پر قاتلانہ واردات کو قانون کے تحت "قتل عمد" قرار دیا جائے اور اس کیلئے مناسب قانون بنایا جائے" (رپورٹ، باب نمبر ۶)

یادش بخیر، مذکورہ خواتین کمیشن کی اصل روح رواں عاصمہ جہانگیر اور NGOs کی مغرب زدہ بیگمات تھیں۔ عاصمہ جہانگیر اس مسئلہ کو ہمیشہ ذرائع اَبلاغ میں اٹھاتی رہی ہیں۔ لیکن ان کے اس مسئلہ پر احتجاج کو نقطۂ عروج (کلائمکس) اس وقت ملا جب ۶/ اپریل ۱۹۹۹ء کو "دستک" میں پشاور سے آئی ہوئی سمیعہ عمران کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس قتل کے واقعہ کی آڑ میں NGOs کے پورے نیٹ ورک نے اس قدر شدید ہنگامہ اور دھما چوکڑی برپا کی کہ الامان !..... ان کا جارحانہ احتجاج کا اسلوب بتا رہا تھا کہ وہ "غیرت کے نام پر قتل" کے خلاف احتجاج نہیں کر رہی تھیں بلکہ خود غیرت کا "قتل" ان کا مقصود و مطلوب تھا۔ وہ پاکستانی کلچر سے غیرت و حمیت پر مبنی اقدار کو جڑ سے اُکھاڑنا چاہتی ہیں تاکہ ہمارا معاشرہ بھی مغرب سے ثقافتی مساوات کا دم بھر سکے۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۹۹ء کو پریس کلب لاہور میں "غیرت کے نام پر قتل" کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس میں NGOs کی بیگمات اور ان کے ہم خیال دانشوروں نے غیرت کے خلاف خوب بھڑاس نکالی۔ ۱۶/ اپریل کے "دن" میں اس سیمینار کے حوالہ سے حنا جیلانی کا جو بیان چھپا، اس کی سرخی یہ تھی:

"غیرت! غیرت! غیرت! خواتین کو بھی جینے کا حق دیا جائے.....!"

☆ انچارج ویسٹ واچ سیل..... اسلامک ہیومن رائٹس فورم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی خبر کے متن میں حنا جیلانی کے بیان کا بقیہ حصہ یوں شائع ہوا:

"سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عورت کے متعلق عدالتوں کا رویہ امتیازی ہے۔ عدالتوں کو چاہئے کہ وہ عورت کو عزت و وقار سے جینے کا حق دیں۔ انہوں نے کہا کہ غیرت کے نام پر قتل، مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کی اصطلاح ہے اور آج ہمیں سٹیٹ کے تمام اداروں کو اس سوچ کے خلاف جھنجھوڑنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سمیعہ عمران کے قتل کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔"

حنا جیلانی کا مندرجہ بالا بیان غیرت کے مسئلہ پر NGOs کی حقیقی سوچ کا آئینہ دار ہے۔ نفسیاتی تشنج اور اختلاج میں مبتلا عورتوں کے حقوق کی نام نہاد علمبردار عورتیں اعلیٰ عدالتوں کے متعلق، اہانت آمیز الفاظ کی ادائیگی سے نہ خوف کھاتی ہیں اور نہ ہی غیرت کے مسئلہ پر انتہائی اقدام اٹھانے والوں کو "مجرمانہ ذہنیت" کا حامل قرار دینے میں انہیں کوئی جھجک محسوس ہوتی ہے۔ عاصمہ جہانگیر کے ادارے "دستک" میں قتل ہونے والی سمیعہ کی ذمہ داری حکومت پر ڈالتے ہوئے بھی ان کے ضمیر کو ہلکی سی خلش بھی محسوس نہیں ہوتی۔ عدالتوں کے رویہ کو "امتیازی" قرار دینا نہ صرف توہین عدالت کے زمرے میں شامل ہے بلکہ اس سے پاکستان کے پورے عدالتی نظام کے خلاف عدم اعتماد اور نفرت انگیز جذبات کو بھڑکانے کی مذموم تحریک کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مغرب کی تنخواہ دار NGOs کی طرف سے ہمارے عدالتی نظام اور سماجی اقدار کے خلاف یہ انتہائی خطرناک پیش قدمی ہے جس سے چشم پوشی ایک قومی سطح پر کوتاہی اور بالآخر پچھتاوا پر منتج ہوگی۔ امریکہ اور یورپ خاندانی نظام کی تباہی کی صورت میں ان نتائج کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ نتائج بتدریج سامنے آئے ہیں اگر شروع میں اس "فتنہ" کے سامنے بند باندھ دیا جاتا تو اس سے بچاؤ ممکن تھا۔

مغرب کے ایجنڈے پر عمل پیرا انسانی حقوق کے باطل مبلغین کی طرف سے "غیرت کے نام پر قتل" کو قتل عمد قرار دینے کا مطالبہ نہ صرف شر انگیز بلکہ غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے اصل اسباب و محرکات کا معروضی جائزہ لیا جائے۔ دنیا کے مختلف ممالک کے مجموعہ ہائے قوانین میں "غیرت کے جرائم" کے بارے میں سزاؤں کا کون سا معیار برقرار رکھا گیا ہے؟ اس مسئلے کا اس پہلو سے جائزہ لینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور پھر آخر میں اس مسئلہ کے متعلق اسلامی احکامات کی روح کی نشاندہی بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔

عورت کی آبرو اور خاندان کی آبرو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں، خاندانی ادارے کا استحکام اور بقا اس اہم مسئلہ سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الہامی مذاہب اور قدیم معاشروں نے عورت کی 'آبرو' کو بے حد اہمیت دی۔ مرد و زن کے اختلاط میں توازن اور اجتماعی معاشرت میں حسن و اعتدال کے قیام کے لئے ایسے ضابطوں کی تشکیل ضروری تھی جو ان تعلقات کو منضبط کر سکیں۔ مذہب، اخلاقیات اور سماجی و ثقافتی روایات نے ہزاروں سال کے تہذیبی ارتقا کے بعد عورت کی عصمت کو قیمتی ترین متاع بنا دیا۔ خاندان اور معاشرہ انسانی تہذیب کے آغاز ہی سے اس قیمتی متاع آبرو کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھتا رہا ہے۔

غیرت، آبرو، حمیت اور عزت کے معاملات کے بارے میں پاکستانی معاشرہ اور یورپی معاشرہ میں ثقافتی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سطح پر بعدِ مشرقین ہے۔ ہماری سماجی اقدار کی میزان میں عورت کی آبرو کا پلڑا اس قدر بھاری ہے کہ یہ پورے خاندانی نظام کو اپنے پلڑے میں جھکا دیتا ہے۔ عورت کی آبرو ایک خاندان کا اجتماعی اَثاثہ تصور کیا جاتا ہے، یہ محض ایک عورت یا فرد کا ذاتی اَثاثہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس قیمتی ترین متاع پر جب کوئی ڈاکہ خاندان کے باہر کے افراد کی طرف سے ہو تو دونوں خاندانوں میں دشمنی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ آبرو پورے خاندان کی متاع سمجھی جاتی ہے لہٰذا کسی عورت کو اپنے ہاتھوں بھی اپنی آبرو کا جنازہ نکالنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ خاندانی ماحول میں ایک عورت اپنے باپ کا فخر، اپنے بھائیوں کا مان اور اپنے خاوند کی شان سمجھی جاتی ہے۔ جب وہ اس آبرو پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ کرتی ہے، تو سمجھا جاتا ہے کہ باپ کے سر کا تاج خاک آلودہ ہو گیا ہے، بھائیوں کا غرور خاک میں مل گیا ہے اور خاوند کی شان کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اہل مغرب کو ہمارے سماج میں مردوں کے خاک آلودہ سروں کی ذلت کا ادراک نہیں ہو سکتا کیونکہ ہزاروں سال کی بے پردگی نے ان کے غیرت وحمیت کے معیارات کو متاثر کیا ہے..... درحقیقت غیرت اور پردہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اسلامی، ایشیائی اور بالخصوص قبائلی معاشروں میں عورت کو حیا کا مجسمہ، عفت کی تصویر اور عصمت کی محافظ خیال کیا جاتا ہے۔ عورت کے احترام کا تناسب عفت و عصمت کے انہی معیارات سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔ اس حیاءِ مجسم سے کسی قسم کی بے اعتدالی کی توقع نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک عورت کسی اخلاقی جرم کی مرتکب ہوتی ہے یا گھر سے فرار ہو جاتی ہے تو غیرت اور حمیت کا احساس اس خاندان میں جذباتی ہیجان خیزی کا طوفان برپا کر دیتا ہے۔ آبرو کے نقصان کی تلافی یہی سمجھی جاتی ہے کہ اس آبرو کی تباہی کے ذمہ دار افراد کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ ورنہ معاشرہ اس خاندان سے غیرت مند خاندان کے طور پر زندہ رہنے کا حق چھین لیتا ہے۔

ممکن ہے بعض روشن خیال افراد اسے آبرو کے متعلق مبالغہ آمیز حساسیت کا نام دیں، لیکن ایسی حساسیت کا تعین ایک اضافی ثقافتی معاملہ ہے جس کے متعلق صحیح رائے اس مخصوص سماجی اور ثقافتی تناظر سے ماورا ہو کر قائم نہیں کی جا سکتی۔ ہر سماج کو اپنی اَقدار کے تعین کا آزادانہ حق حاصل ہے۔ اگر یورپ نے بے حیائی اور آوارگی اور جنسی باؤلاپن کو سندِ پذیرائی عطا کر دی ہے اور وہ اسے جدید ترقی یافتہ سماج کی اَقدار کے طور پر اپنا چکے ہیں تو انہیں روایتی اسلامی یا ایشیائی معاشروں میں عفت و آبرو کے متعلق اس حساسیت کے بارے میں اعتراض کا اصولی طور پر کوئی حق نہیں ہونا چاہئے۔ انسانی حقوق کے مغربی معیارات کو قبول کرانے پر اصرار کی بجائے اہل مغرب اور ان سے مرعوب افراد کو دوسرے معاشروں کو اپنی ضروریات کے مطابق اَقدار کی پاسداری کا کھلے دل سے حق عطا کرنا چاہئے اور یہ جدید روشن خیالی اور رواداری کا عین تقاضا بھی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک باپ کا اپنی بیٹی، ایک خاوند کا اپنی بیوی اور ایک بھائی کا اپنی بہن کو آبرو کے ناگزیر تقاضوں سے مجبور ہو کر قتل کرنا کسی "مجرمانہ ذہنیت" کا نتیجہ ہے؟ مندرجہ بالا اُمور کو ذہن میں رکھا جائے تو اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ اپنی عزیز از جان ہستیوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دینا انسانی زندگی کے مشکل ترین فیصلوں میں سے ایک ہے۔ یہ کسی پرندے کا شکار نہیں ہے۔ اس انتہائی اقدام تک پہنچنے کے لئے جس جذباتی شکست وریخت، ہیجان خیزی اور اعصاب زدگی کے جگر پاش دھچکوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس کا صحیح احساس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان بدنصیب افراد کو ہی ہو سکتا ہے جو بالآخر اپنے ہاتھ سے اپنے عزیزوں کا قتل کر گزرتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ محض شغل یا اپنی مجرمانہ ذہنیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر نہیں کرتے۔ کاش کہ انسانی حقوق کے علمبردار حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے انسانی فطرت کے اس جبر کا ادراک بھی کریں.....!!

غیرت کے نام پر قتل کی متعدد وجوہ اور صورتیں ہو سکتی ہیں..... مثلاً

(i) ایک مرد کا دوسرے مرد کو محض اس بنا پر قتل کر دینا کہ اس نے قاتل کی کسی عزیزہ سے چھیڑ خانی کی ہو، یا اس کی آبرو پر حملہ کیا ہو..... اس میں عورت بے قصور ہوتی ہے۔

(ii) ایک مرد نے اپنی بیوی یا کسی قریبی عزیزہ کو کسی غیر محرم کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا تو اس نے اس مرد کو تو قتل کر دیا، البتہ اس عزیزہ کو تشدد کا نشانہ بنانے پر ہی اکتفا کیا۔

(iii) ایک مرد نے دوسرے مرد کو اپنی کسی قریبی عزیزہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا، اور مرد و عورت دونوں کو قتل کر دیا۔

(iv) ایک مرد نے اپنی بیوی یا قریبی عزیزہ کو غلط حرکتوں سے باز رہنے کی مسلسل تاکید کی، وہ باز نہ آئی تو اسے قتل کر دیا یا اپنی کسی عورت کو غیر مرد کے ساتھ دیکھا، مرد تو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، البتہ اس نے اپنی عورت کو اشتعال میں آکر قتل کر دیا۔

غیرت کے نام پر قتل کی مؤخر الذکر صورت بعض NGOs کے پراپیگنڈہ اور احتجاج کی وجہ سے خبروں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

کیا غیرت کے نام پر قتل اور قتل عمد، شریعت اور قانون کی نگاہ میں برابر ہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیرت کے نام پر قتل کو "قتل عمد" کے برابر رکھا جا سکتا ہے؟ جرم و سزا کے فلسفہ کے متعلق واجبی سا علم رکھنے والا شخص بھی اس سوال کی نامعقولیت کا ادراک کر سکتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی ریاست کا قانونی و عدالتی نظام، جرائم کے پس پشت محرکات اور اسباب کا تعین کئے بغیر ان کی سزا کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی حمایت نہیں کر سکتا۔ مزید برآں فوری اشتعال (Sudden Provocation) کے نتیجہ میں کئے جانے والے جرائم کو عام جرائم سے ہمیشہ مختلف درجہ میں رکھا جاتا ہے۔ یہ معاملہ صرف قبائلی، روایتی یا اسلامی معاشروں کا نہیں، یورپی ممالک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل اور قتل عمد کے عوامل و محرکات اور حالات و پس منظر یقیناً یکساں نہیں ہوتے تو پھر ان کی یکساں سزا تقاضائے عدل کے منافی ہے۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو ایک باپ اپنی بیٹی کے قتل کے بعد اپنے آپ کو بھی ایک ایسی اذیت ناک صورتحال بلکہ سزا سے دوچار کر دیتا ہے جو تمام عمر اس کو سکھ کا سانس نہیں لینے دیتی، اندر سے وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے یہ (Self-inflicted) سزا ہی کافی ہوتی ہے۔ اسی لئے پاکستانی عدالتیں حالات کا معروضی جائزہ لینے کے بعد اگر ایک باپ کو بیٹی کے قتل سے بری کرتی ہیں یا اس کی سزا میں تخفیف کرتی ہیں تو اسے بقول عاصمہ جہانگیر "قتل کا لائسنس" قرار دینا حقائق کا منہ چڑانا اور نظام عدل کے تقاضوں کا لحاظ نہ رکھنے کے مترادف ہے۔ جملہ معترضہ کے طور پر یہاں یہ نشاندہی کرنا بھی دلچسپی بلکہ تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ عاصمہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہانگیر کا انسانی حقوق کمیشن پاکستان کے قوانین سے موت کی سزا کو سرے سے ہی ختم کرنے کا مطالبہ کئی برسوں سے کر رہا ہے۔ غیرت کے نام پر قتل کے متعلق عاصمہ جہانگیر کی طرف سے موت کی سزا کا مطالبہ ایک ایسے فکری تضاد کو ظاہر کرتا ہے جس کا شکار انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار بالعموم نظر آتے ہیں۔

عالم اسلام میں کسی بھی ملک میں "غیرت کے قتل" کو قتل عمد قرار نہیں دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ اسلامی ممالک جہاں مغرب زدہ طبقہ حکمران ہے، وہاں بھی غیرت کے قتل کو قتل عمد سے مختلف سمجھا جاتا ہے اور اس کی سزا میں تخفیف یا استثناء کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مثلاً اُردن کے مجموعۂ تعزیرات (Penalcode) ۱۹۶۰ء کے آرٹیکل ۳۴۰ کے الفاظ یہ ہیں:

(i) "کوئی شخص جو اپنی بیوی یا محرمات میں سے کسی ایک کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ بدکاری (زنا) کرتے ہوئے اچانک پکڑ لے اور وہ ایک یا دونوں کو قتل، زخمی یا مجروح کر دے، تو وہ ہر طرح کی سزا سے مستثنیٰ ہے"

(ii) کوئی شخص جو اپنی بیوی یا ماں، دادی (Female Ascendants) میں سے کسی ایک کو یا پھر بیٹی پوتی (Female Descendants) جیسے وارثین میں سے کسی ایک کو یا اپنی بہن کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ بستر میں ناجائز حالت میں اچانک پکڑے اور اسے قتل، مضروب یا مجروح کر دے، تو وہ سزا میں کمی کی رعایت (فائدہ) کا مستحق ہوگا"

(Source: Islam and Feminism, Chapter Crime of Honour and the Construction of Gender in Arab Societies, By Lama Abu Odeh)

اُردن کے مجموعۂ تعزیرات کا مذکورہ بالا آرٹیکل تاریخی اعتبار سے دو مختلف قانونی ماخذات سے اَخذ شدہ ہے

(i) سلطنتِ عثمانیہ کا مجموعۂ تعزیرات ۱۸۵۸ء

(ii) فرانسیسی مجموعۂ تعزیرات ۱۸۱۰ء (French Penal code)

سلطنتِ عثمانیہ کے مجموعۂ تعزیرات کے آرٹیکل ۱۸۸ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

"کوئی شخص اپنی بیوی یا محرمات میں سے کسی ایک کو کسی دوسرے فرد کے ساتھ مکروہ زنا کی حالت میں دیکھے، پھر اس پر تشدد یا اسے زخمی کر دے، یا ان میں سے ایک یا دونوں کو قتل کر دے، وہ سزا سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔ اور وہ جو اپنی بیوی یا محرمات میں سے ایک کو، کسی دوسرے فرد کے ساتھ ناجائز بستر پر دیکھے اور پھر اسے مارے، زخمی کر دے یا ایک یا دونوں کو قتل کر دے، اسے معاف کر دیا جائے گا" (حوالہ: ایضاً)

"اردن کے مجموعۂ تعزیرات کے آرٹیکل ۳۴۰ سے ملتی جلتی دفعات نہ صرف تمام عرب ممالک کے مجموعۂ تعزیرات میں شامل ہیں، بلکہ ترکی اور بہت سے یورپی ممالک میں بھی یہی صورتحال ہے۔ مثلاً سپین اور پرتگال میں ایسی دفعات اب تک ان کے قانونی ڈھانچے کا حصہ ہیں۔ اٹلی میں یہ دفعہ حال ہی میں یعنی ۱۹۷۹ء میں ختم کی گئی اور فرانس میں یہ شق مجموعۂ تعزیرات سے ۱۹۷۵ء میں نکالی گئی" (حوالہ: ایضاً)

"غیرت" کے سبب سے قتل کے نتیجہ میں قاتل کو سزا میں تخفیف یا استثنا کن صورتوں میں دیا جانا چاہئے؟ عرب ممالک کے مجموعہ ہائے تعزیرات میں ان اُمور کی تشریح میں معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس کے نفاذ کو بدکاری کی عملی صورتوں تک محدود کر دیا ہے۔ مثلاً مصر، تیونس، لیبیا اور کویت وغیرہ۔ اور ایسی صورت میں وہ سزا میں صرف کمی کو ہی روا سمجھتے ہیں نہ کہ مکمل رعایت (Exemption) کو جبکہ بعض دوسرے اسلامی ممالک کے قوانین اس کے نفاذ کے لئے "ناجائز بستر" (Unlawful Bed) تک اس کو وسعت دیتے ہیں مثلاً شام، لبنان وغیرہ۔ ان ممالک میں "ناجائز بستر" میں پکڑے جانے کی صورت میں قتل کرنے کی سزا میں "کمی" جبکہ زنا کی صورت میں مکمل استثنا کی بات کی گئی ہے۔ عراق کا "کوڈ" اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ دونوں صورتوں یعنی "زنا" اور "اپنے آشنا کے ساتھ بستر میں موجودگی" کے متعلق سزا میں صرف تین سال کی "کمی" کی رعایت دیتا ہے۔ مذکورہ اختلافات اپنی جگہ، لیکن یہ امر واضح ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں غیرت کی وجہ سے کئے جانے والے قتل کو قتل عمد سمجھتے ہوئے موت کی سزا نہیں دی جاتی۔

'عزت کے جرائم' کے متعلق ایک اور پہلو بھی اہم ہے۔ وہ یہ کہ ان جرائم میں فائدہ اٹھانے کا مستحق کون ہے؟ عرب ممالک میں اس مسئلہ کے متعلق ماہرین قانون، فاضل علماء اور عدالتوں کے قاضی صاحبان تواتر سے اظہار خیال کرتے رہتے ہیں۔ مختلف ممالک میں اس پہلو پر مختلف تشریحات ملتی ہیں۔ شام اور لیبیا کے قوانین کے مطابق خاوند، بیٹا، باپ اور بھائی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن اُردن کے مجموعہ تعزیرات میں چونکہ "محرمات" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور محرمات میں وہ تمام عورتیں شامل ہیں جن سے ایک مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اُردن میں مذکورہ بالا چار رشتوں کے علاوہ بھی دیگر محرم مرد "عزت کے جرائم" میں سزا کی کمی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مصر، کویت اور تیونس کے مجموعہ ہائے تعزیرات نے شادی شدہ عورت کی صورت میں اس رعایت کو صرف "خاوند" تک محدود رکھا ہے۔ الجیریا کے قانون میں 'عزت کے جرائم' کے ضمن میں "خاوند" کے ساتھ "بیوی" کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یعنی اگر ایک بیوی اپنے خاوند کو کسی دوسری عورت کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھے اور پھر اشتعال میں آکر اسے قتل کر دے تو اسے بھی سزا میں 'کمی' یا استثنا کی رعایت ملے گی۔ (فیمنزم اینڈ اسلام، صفحہ ۱۴۴)

غیرت کے جرائم میں سزا کی کمی یا مکمل رعایت حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اسلام نے صرف قتل عمد میں 'حد' جاری کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ غیرت کے قتل میں صرف تعزیر کو ہی کافی سمجھا ہے اور اس صورت میں 'مباح الدم' (جن کا خون جائز ہو) کی شرط بھی قائم کی ہے۔ عرب ممالک کے مبصرین نے مذکورہ بالا ضابطے کو پر از حکمت قرار دیتے ہوئے اسے عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق قرار دیا ہے۔ مصر، جس کی عدالتوں کے فیصلے بیشتر اسلامی ممالک میں بطورِ نظیر پیش کئے جاتے ہیں اور جہاں 'تجدد' بھی نسبتاً زیادہ ہے، وہاں کی عدالتوں نے بھی اس ضابطے کو برقرار رکھنا مناسب سمجھا ہے۔ مصر کے معروف ماہر قانون شیخ عبدالحمید شاورلی نے 'غیرت کے جرائم' کے بارے میں مصری کوڈ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "مجلس قانون ساز نے ایسا خاوند جس کی آبرو کا جنازہ نکال دیا گیا ہو جو اس کی قیمتی ترین متاع تھی، کی نفسیاتی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قانون سازی کی ہے۔ اس لمحے جب وہ اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے اچانک پکڑے گا، بلاشبہ اس کی عقل اور ہوش و حواس جاتے رہیں گے..... وہ اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو قتل کر دے گا"

(Source: feminisom and Islam: Article "on Aggravating and extenuating circumstances, Alexendria)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدکاری کے علاوہ ایک دوسرا جرم جو عرب ممالک میں بالخصوص اور بعض دیگر مسلم ممالک میں بالعموم "عزت کے جرائم" میں شامل سمجھا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ سہاگ رات کو لڑکی اگر کنواری (Virgin) نہ پائی جائے، تو اس کا بھائی یا باپ اس کو قتل کر دیتا ہے۔ بعض ملکوں میں اسے صرف طلاق دے دی جاتی ہے، مثلاً ایران میں۔ قدرت نے مرد کے ساتھ ساتھ عورت کی 'آبرو' کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ شادی سے پہلے اگر کوئی مرد بدکاری کا مرتکب ہوتا ہے، تو اس کا تعین مشکل ہے لیکن عورت کے ضمن میں ایسا نہیں۔ قدرت نے عورت کے جسمانی نظام میں ایک خاص حصے کو اس کی "کنوارگی" کے تحفظ کی علامت کے مؤثر "چیک" کی صورت میں رکھا ہے۔ اگرچہ جدید سائنس نے بعض استثنائی صورتوں کے امکان کو بھی ظاہر کیا ہے لیکن عام قاعدہ کلیہ وہی ہے..... اس ضمن میں عرب روایات اور مغرب زدہ خواتین دونوں کا طرزِ عمل انتہا پسندانہ ہے۔ ایک طرف عرب معاشرہ کسی کنواری لڑکی کو کوئی "الاؤنس" دینے کو تیار نہیں، دوسری طرف جدید طبقہ کنوارگی کے اس فطری "چیک" کو مکمل طور پر اُڑا دینا چاہتا ہے۔ اگر اول الذکر کے غیر لچکدار موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بعض بے قصور لڑکیوں کے قتل کا احتمال باقی رہے گا۔ اگر جدید طبقہ کی بات کو درست قرار دیا جائے تو پھر کنواری لڑکیوں میں جنسی بے راہروی کے روکنے کے لئے ایک مؤثر "چیک" سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ عرب ممالک کے قوانین نے مسلک اعتدال کو اپنایا ہے۔ چنانچہ وہاں "کنوارگی" کے بارے میں قتل کو "غیرت کا قتل" سمجھ کر ملزم کو رعایت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ اس معاملے میں جسمانی تشدد، جارحانہ تنقید یا کسی بھی وجہ سے ایسی مشکوک لڑکی کا ناطقہ بند کرنے کو غیر قانونی یا برا عمل نہیں سمجھا جاتا۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالنا کہ جن کا جب جی چاہے، اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، مغالطہ آمیز ہوگا۔ بعض مسلم ماہرین قانون نے مندرجہ بالا آرٹیکل کے عمل درآمد کے لئے تین شرائط کی تکمیل کو بھی ضروری قرار دیا ہے مثلاً

(i) ملزم کا مقتولہ سے رشتہ (خاوند، بھائی، بیٹا)

(ii) عورت کا بدکاری کرتے ہوئے اچانک رنگے ہاتھوں پکڑا جانا۔

(iii) قتل کا اقدام بدکاری دیکھنے کے فوراً بعد اور فوری اشتعال کا نتیجہ ہو۔

اگر کسی مقدمہ میں یہ شرائط پوری ہوتی ہوں تو عرب ممالک میں عام طور پر اسے 'غیرت کا جرم' سمجھتے ہوئے ملزم کو رعایت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ مصر کی عدالت نے ایک مقدمہ میں فیصلہ سنایا کہ "جب ایک بیوی اپنے خاوند کے ہاتھوں اس طرح پکڑی جائے کہ اس کا زیر جامہ اس کے آشنا کے ساتھ پڑا ہو، اس حقیقت کے باوجود کہ خاوند نے ان دونوں کو عملاً بدکاری کرتے نہیں دیکھا، پھر بھی خاوند کو سزا میں کمی کی رعایت دی جائے گی۔" (حوالہ: ایضاً)

پاکستان کے مجموعہ تعزیرات کے مطابق بھی عزت کے قتل اور فوری اشتعال کے نتیجہ میں کئے جانے والے قتل کو "قتل عمد" کی بجائے "قتل خطا" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱۸۶۰ء سے لے کر اب تک ان قوانین کی تعبیر و تشریح اور اطلاق میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے سینکڑوں فیصلہ جات ریکارڈ پر ہیں جس میں غیرت کے قتل کو "قتل عمد" نہیں سمجھا گیا۔ ان فیصلہ جات میں سے ایک فیصلہ جو ۲۶ نومبر ۱۹۹۷ء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اخبارات میں رپورٹ ہوا، ملاحظہ فرمایئے :

"عدالت عالیہ لاہور کے مسٹر جسٹس خالد رانجھا اور مسٹر جسٹس افتخار چوہدری نے ایک شخص 'صاحب' کی سزائے موت ختم کر کے اسے مقتول کے ورثا کو دیت کی رقم ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ عدالت نے قرار دیا ہے کہ قصاص و دیت آرڈیننس کے تحت بھی ایسا قتل جو کسی منصوبہ بندی کی بنا پر نہ ہوا ہو اور جس میں غیرت کا معاملہ شامل ہو، 'قتل عمد' قرار نہیں پائے گا اور قاتل کو قتل خطا کے جرم کے تحت سزا دی جائے گی۔ ایڈووکیٹ سردار لطیف کھوسہ نے عدالت کو بتایا کہ ملزم صاحب نے ایک شخص ملازم حسین کو اپنے گھر کے سامنے پیشاب کرنے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے بے پردگی ہوتی ہے جس پر اس شخص نے کان دھرا..... ملزم نے فوری اشتعال کے تحت درانتی سے وار کیا، ایک وار سے ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہ قتل عمد نہیں ہے، اس لئے اس کی سزا معاف کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا جائے۔ عدالت عالیہ نے قرار دیا ہے کہ فوری اشتعال اور غیرت کے مسئلہ پر قتل قصاص و دیت آرڈیننس کے تحت بھی قتل عمد شمار نہیں ہو گا۔ عدالت نے ملزم کو دیت ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے بری کرنے کے احکامات جاری کئے ہیں"

(روزنامہ "خبریں"، "نوائے وقت" لاہور)

راقم الحروف نے مندرجہ بالا فیصلہ کا انتخاب دو وجوہات کی بنا پر کیا ہے۔ اولاً یہ کہ ملزم کے فوری اشتعال کا باعث مقتول کی طرف سے اپنے گھر کے سامنے پیشاب کرنے پر اصرار تھا، یہ عمل خواتین کی عملاً بے آبروئی سے کہیں کمتر درجہ کا ہے۔ اگر محض گھر کے سامنے پیشاب کرنے والے شخص کے قتل کو قتل خطا قرار دیا جاتا ہے تو وہ شخص جو کسی غیر مرد کو اپنی کسی عزیزہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر اسے قتل کر دیتا ہے، قتل خطا کی سزا کہیں زیادہ مستحق ہے۔ ثانیاً، یہ فیصلہ لاہور ہائیکورٹ کے جس ڈویژن بنچ نے دیا، اس میں جناب خالد رانجھا صاحب بھی شامل تھے، جو مختصر مدت کے لئے جج کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جب مارچ ۱۹۹۹ء کے پہلے ہفتے کے دوران لاہور ہائیکورٹ نے غیرت کے مسئلہ میں ایک باپ کو اپنی بیٹی کے قتل کرنے کے جرم میں بری کرنے کا فیصلہ سنایا تو یہی خالد رانجھا صاحب، جو آج کل دوبارہ وکالت کر رہے ہیں، ہی تھے جنہوں نے عاصمہ جہانگیر کے ساتھ ایک مشترکہ بیان میں لاہور ہائیکورٹ کے اس فیصلہ کو "قتل کا لائسنس" قرار دیا۔ انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار عاصمہ جہانگیر جو خالد رانجھا صاحب کے مذکورہ فیصلہ پر خاموش رہیں، تازہ ترین فیصلہ کے خلاف سراپا احتجاج بن گئیں۔ عاصمہ جہانگیر کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیرت کے مسئلہ پر اگر مقتول مرد ہو اور اس کے قاتل کو بری کر دیا جائے تو اس پر بظاہر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا، البتہ اگر مقتولہ کوئی فیشن ایبل خاتون ہو تو یہ ایسا معاملہ ہے جس کیلئے آسمان سر پر اٹھا دیا جاتا ہے۔

عاصمہ جہانگیر اور اس کی حواری بیگمات کا یہ دعویٰ بھی خلاف حقیقت ہے کہ غیرت کے نام پر تمام جرائم صرف عورتوں کے خلاف جرائم ہیں۔ عاصمہ جہانگیر کا انسانی حقوق کمیشن محض مقتولہ عورتوں کے اعداد و شمار جمع کرنے میں ہی دلچسپی لیتا ہے ورنہ عام مشاہدہ اور اخباری رپورٹیں یہی بتاتی ہیں کہ غیرت کے نام پر قتل ہونے والوں میں مردوں کا تناسب عورتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ مقتول مردوں کی اچھی خاصی تعداد تو وہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے جنہیں محض عورتوں کو چھیڑنے سے منع کرنے پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ قبائلی علاقوں میں بھی غیرت کے نام پر قتل کا زیادہ تر شکار مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورتوں کی عزتوں پر حملے کے بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کی رضا کو قطعاً دخل نہیں ہوگا، ایسے معاملات میں عورتوں کو کچھ نہیں کہا جاتا۔

مزید برآں یہاں یہ وضاحت بھی اشد ضروری معلوم ہوتی ہے کہ غیرت کے قتل کے متعلق سزا میں تخفیف یا استثنا کا فائدہ صرف مردوں کو ہی نہیں ملتا، اس سے الزام علیہ عورتیں بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ۱۵ر مارچ ۱۹۹۸ء کو ہدایت بی بی نامی ایک عورت نے پشاور میں اپنی عزت کے تحفظ کے لئے اپنے شوہر اور ایک پولیس افسر کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ یہ معروف واقعہ شہ سرخیوں کے ساتھ اخبارات کی زینت بنا رہا۔ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو عدالت نے اس مشہور واردات قتل کا فیصلہ سنایا۔ ۲۶ر اکتوبر کے اخبارات نے اسے یوں رپورٹ کیا:

"عدالت نے عزت بچانے کی خاطر پولیس افسر اور شوہر کو فائرنگ سے ہلاک کرنے والی غریب آباد (پشاور) کی ہدایت بی بی کو بے گناہ قرار دیتے ہوئے اسے باعزت طور پر رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ فیصلہ میں کہا گیا کہ ایک عورت کے پاس عزت سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب اس کی عزت پر آنچ آ رہی ہو تو پھر وہ اس کے بچاؤ کے لئے ہر اقدام کر سکتی ہے" (جنگ، لاہور)

اس معاملے کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھنا مفید ہوگا..... بالفرض غیرت کے قتل کو اگر قتل عمد قرار دے دیا جائے، تو اس کا زیادہ تر نقصان عورتوں کو ہی ہوگا۔ بہت سے مرد سزائے موت کے خوف سے اپنی عورتوں کی حفاظت کے لئے حملہ آور مردوں کو قتل کرنے سے باز رہیں گے جس سے عورتوں کی آبرو پر حملہ کی واردات میں اضافہ ہونے کا امکان بڑھ جائے گا۔ ہدایت بی بی جیسی بہت سی عورتیں جو اپنی آبرو کی حفاظت کی خاطر حملہ آور مردوں کو قتل کر دیتی ہیں، وہ بھی اس رعایت سے محروم رہیں گی..... عاصمہ جہانگیر نے ہدایت بی بی کے اس جرأت مندانہ اقدام کو سراہا، نہ ہی اس کے باعزت رہا ہونے پر کوئی اعتراض کیا۔ ہدایت بی بی جیسی غیور، اسلامی مزاج رکھنے والی غریب عورتیں انسانی حقوق کمیشن کی توجہ کی مستحق کم ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس کمیشن نے تو صرف گھر سے فرار ہونے والی آبرو باختہ لڑکیوں کے حقوق کا مغرب سے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

عاصمہ جہانگیر کا نام نہاد انسانی حقوق کمیشن پاکستان کے اندرونی سندھ اور جنوبی پنجاب کے بعض قبائلی علاقوں کے متعلق "کاروکاری" کے واقعات کے متعلق مبالغہ آمیز اعداد و شمار شائع کرتا رہتا ہے۔ ان کی رپورٹ پڑھ کر تو گماں گزرتا ہے گویا 'کاروکاری' کے واقعات ایک دن میں کئی کئی مرتبہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکا دکا واقعات کو تشہیر دے کر عاصمہ جہانگیر پاکستان کو بدنام کرنے کی مہم چلا رہی ہیں۔ "کاروکاری" کو ڈیرہ غازی خان اور راجن پور کے قبائل علاقوں میں 'کالا کالی' کی رسم کہا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ماضی میں ان علاقوں کی عورت اور مرد کو بدکاری کرتے ہوئے رنگے ہاتھ پکڑ لیا جاتا، تو عورت کا خاندان اسے "کالی" قرار دے کر قتل کر دیتا اور مجرم مرد کے خاندان سے مطالبہ کیا جاتا کہ وہ اسے "کالا" قرار دے کر قتل کر دے۔ اگر وہ اپنے مرد کو قتل نہ کرتے تو عورت کا متاثرہ خاندان موقع پا کر اسے بھی قتل کر دیتا۔ ڈیرہ غازی خان اور راجن پور میں 'کالا کالی' کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اندرون سندھ میں بھی اس کا تناسب وہ نہیں ہے جس کا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ 'کالا کالی' کے حق میں اور مخالفت میں بہت کچھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا جاسکتا ہے لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ یہ رسم محض عورتوں کے خلاف نہیں ہے، مردوں کو بھی اس قبائلی سزا سے گزرنا پڑتا ہے۔ دراصل بعض قبائل نے بدکاری کی لعنت کے خاتمہ کے لئے صدیوں سے اس سزا کے رواج کو برقرار رکھا ہے۔ اس کا اصل جذبہ محرکہ عورت کی آبرو کا تحفظ ہی ہے۔ قبائلی روایات کا یہ خودکار نظام ہے جو پولیس کے بغیر ایسے علاقوں میں اخلاقی جرائم کی روک تھام کے لئے مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

اب آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق اسلامی احکامات کی نوعیت کیا ہے؟

اس میں شک نہیں غیرت کے جوش میں آکر اپنی عورتوں کو قتل کردینے کا اسلام حکم نہیں دیتا۔ لیکن یاد رہے کہ اسلام حمیت کے جوش میں کئے جانے والے قتل اور قتلِ عمد میں فرق روا رکھتا ہے۔ اسلامی فقہا کی عظیم اکثریت غیرت کے فوری اشتعال کے نتیجے میں ہونے والے قتل کو عام قتل کی طرح قابل مؤاخذہ نہیں سمجھتی ..... تمام دنیا میں فوری اشتعال (Sudden Provocation) کے نتیجہ میں کئے جانے والے جرائم بالخصوص عزت کے جرائم کو بالکل مختلف تناظر میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں ایک باپ یا خاوند کو اپنی بیٹی یا بیوی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر قتل کیے جانے والے واقعات میں نرم سزا دیتی یا بری کردیتی ہیں، تو یہ اسلام کے جرم وسزا کے نظام کے عین مطابق ہے۔ ایسے فیصلہ جات کے خلاف NGOs یا عاصمہ جہانگیر کا واویلا بے بنیاد ہے۔

غیرت کے جوش میں آکر اپنی عورتوں کو قتل کردینے کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران بھی یہ مسئلہ بڑے شد ومد سے زیر بحث رہا ہے۔ اسلام نے پاکدامن عورتوں پر بے جا الزام تراشی کرنیوالوں پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم دیا۔ قذف کا مسئلہ عام طور پر دوسری عورتوں کے لیے تھا۔ اچانک یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ ایک خاوند اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس وقت تک آیت لعان ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ سورۂ نور کی آیت نمبر ۱۰ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "حدِ قذف کا حکم جب نازل ہوا تو لوگوں میں یہ سوال پیدا ہو گیا کہ غیر مرد اور عورت کی بدچلنی دیکھ کر تو آدمی صبر کر سکتا ہے، گواہ موجود نہ ہوں تو زبان پر قفل چڑھالے اور معاملے کو نظر انداز کردے۔ لیکن وہ اگر اپنی بیوی کی بدچلنی دیکھ لے تو کیا کرے؟ قتل کردے تو الٹا سزا کا مستوجب ہو۔ گواہ ڈھونڈنے جائے تو ان کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا۔ صبر کرے تو آخر کیسے کرے۔ طلاق دے کر عورت کو رخصت کر سکتا ہے، مگر نہ اس عورت کو کسی قسم کی مادی یا اخلاقی سزا ملی، نہ اس کے آشنا کو۔ اور اگر اسے ناجائز حمل ہو تو غیر کا بچہ الگ گلے پڑا۔ یہ سوال ابتداءً تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک فرضی سوال کی حیثیت میں پیش کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ میں اگر خدانخواستہ اپنے گھر میں یہ معاملہ دیکھوں تو گواہوں کی تلاش میں نہیں جاؤں گا بلکہ تلوار سے اسی وقت معاملہ طے کردوں گا (بخاری ومسلم) لیکن تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ بعض ایسے مقدمات عملاً پیش آگئے جن میں شوہروں نے عملاً یہ معاملہ دیکھا..... ہلال بن اُمیہ نے آکر اپنی بیوی کا معاملہ پیش کیا جسے انہوں نے بچشم خود ملوث دیکھا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ثبوت لاؤ، ورنہ تم پر حدِ قذف جاری ہوگی" صحابہؓ میں اس پر عام پریشانی پھیل گئی۔ اور ہلال نے کہا: اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے! میں بالکل صحیح واقعہ عرض کر رہا ہوں جسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ بچا دے گا اس پر آیت "لِعان" نازل ہوئی....." (بخاری، ابوداود)

لِعان اسلامی شریعت میں قانونی اصطلاح ہے جس کی روشنی میں الزام لگانے والے خاوند اور الزام علیہ بیوی کو، خدا کو گواہ بنا کر پانچ پانچ مرتبہ اپنی بات کے ثبوت میں قسمیں کھانی پڑتی ہیں۔ اگر دونوں پانچ پانچ قسمیں کھالیں تو ان میں جدائی کرا دی جاتی ہے۔ ہلال بن اُمیہ کی بیوی کے معاملے میں حضورِ اکرم ﷺ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ تفریق کے بعد وضع حمل کی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہلال بن امیہ کی بیوی کے وضع حمل کے بعد دیکھا گیا کہ اس کے بچہ کی صورت اس شخص سے ملتی تھی جس کے بارے میں اس پر الزام لگایا گیا تھا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا خدا کی کتاب ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس عورت سے بری طرح پیش آتا"

آیتِ لعان کے ضمن میں شریعت کے اصولوں پر بحث کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے اور لعان کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کو بطورِ خود حد جاری کرنے کا اختیار نہ تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے فعل پر کوئی مؤاخذہ ہوگا بشرطیکہ اس کی صداقت ثابت ہو جائے۔ امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ اس اَمر کے دو گواہ لانے ہوں گے کہ قتل کا سبب یہی تھا۔ لعان سے پہلو تہی کرنے والی عورت کے بارے میں ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اسے سنگسار کر دیا جائے۔"

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی معاشرے میں غیرت و حمیت کے معاملہ میں جذباتی ردِّ عمل ایک فطری بات نظر آتی ہے۔ خاندانی آبرو کی تلافی یا تباہی کا احساس ایک غیور انسان کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اگرچہ اس معاملہ میں بھی اسلام کی منشا اور ترجیح عورتوں کے فوری قتل کی بجائے اسلام کے بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق عمل کرنا ہے۔ لیکن جذبات کی شدت میں ہر آدمی سے صبر و تحمل کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ واقعہ اِفک کے معاملہ میں رحمتِ دوعالم ﷺ بھی تقریباً ایک ماہ تک شدید متاثر رہے تھے۔ جب تک کہ آیاتِ براءت نازل نہ ہوئیں حالانکہ آپ کو ان الزامات کے غلط ہونے پر سو فیصد یقین تھا۔ آپ نے صبر و تحمل فرمایا لیکن ایک عام مسلمان کا رویہ بالکل وہی ہوتا ہے جس کا اظہار سعد بن عبادہؓ نے کیا تھا۔ پاکستان میں غیرت کے نام پر قتل کی وارداتوں کا ایک اہم سبب شرعی حدود کے نفاذ میں کوتاہی بھی ہے۔ جب لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ ریاستی مشینری بالکل غیر مؤثر ہے تو وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

غیرت کے جرائم (Crime of Honour) کا ارتکاب مختلف تناسب کے ساتھ تقریباً ہر معاشرہ میں کیا جاتا ہے۔ یورپ و امریکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ آج سے دو سال قبل امریکہ میں مشہور کھلاڑی او۔ جے سمپسن (O.J. Simpson) کا مقدمہ بنیادی طور پر "غیرت کا قتل" کا مقدمہ تھا۔ اس نے اپنی بیوی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ایک دوسرے شخص کے ساتھ دیکھا تو غصہ پر قابو نہ پاتے ہوئے دونوں کو ڈھیر کر دیا۔

ایک معروف امریکی رسالہ میں امریکی فلمی ہیرو (Van Dam) کا ایک انٹرویو شائع ہوا جس میں ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ "اگر وہ اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھے، تو یا تو اپنی بیوی کو قتل کر دے گا یا اپنے آپ کو"..... دراصل غیرت کے معاملات میں اشتعال میں آنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اس معاملہ کو سماجی اقدار کا حصہ کبھی نہ بنایا جاتا اگر یہ انسانی فطرت سے متصادم ہوتا۔

یورپ و امریکہ میں اگر غیرت کے جرائم مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے تو پاکستانی معاشرت میں ان کے صدور کے امکانات کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ غیرت کے نام پر قتل دراصل ردّ عمل ہے ایک ناپسندیدہ عمل کا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب تک ایک عمل کو ختم نہیں کر لیا جاتا، اس کے ردّ عمل پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا۔

پاکستان کی NGOs کی بیگمات اگر غیرت کے نام پر قتل کی واردات کی روک تھام میں کسی بھی اعتبار سے سنجیدہ ہیں تو انہیں اس کے اسباب و عوامل پر غور کرنا چاہئے۔ انہیں غیرت و حمیت کا جنازہ نکالنے کی بجائے پاکستانی معاشرہ سے فحاشی، عریانی اور شہوت رانی کے سدباب کے لئے کوششیں بروئے کار لانی چاہئیں۔ انہیں گھر سے فرار ہو کر آنے والی لڑکیوں کو تحفظ دینے کی بجائے نوجوان لڑکیوں کی اخلاقی تربیت کے مراکز قائم کرنے چاہئیں۔ ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ غیرت کے نام پر قتل کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی آڑ میں درحقیقت "غیرت" کو ہی "قتل" کرنے کے درپے ہیں۔

آخر میں ہم حکومت پاکستان سے گزارش کریں گے کہ وہ مغرب زدہ بیگمات کے مٹھی بھر ٹولہ کے اس مطالبہ کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھے کہ غیرت کے نام پر قتل کو "قتل عمد" قرار دیا جائے۔ پاکستان کے محب وطن دانشوروں کو پاکستانی عوام کو بے حمیت بنانے کی خطرناک سازش کو ناکام بنانے کے لئے جوابی مزاحمتی تحریک برپا کرنی چاہئے۔ پاکستانی عدلیہ کے فاضل جج صاحبان مغربی سرمایہ سے چلنے والے ملک دشمن NGOs کے دباؤ سے آزاد رہتے ہوئے خالصتاً اسلامی تعلیمات اور ہماری شاندار سماجی اقدار کی روشنی میں عدل و انصاف کا پرچم بلند رکھیں۔ ☆☆

"غیرت کے نام پر جرائم کا مسئلہ" ان دنوں 'انسانی حقوق' کے پلیٹ فارم سے بڑے شد و مد سے اٹھایا جا رہا ہے اور "خواتین حقوق کمیشن کی رپورٹ" میں بھی غیرت و حمیت کے جرائم کو عام جرائم کی فہرست میں شمار کرنے کی سفارش کی گئی ہے، اس موضوع کے مزید پہلوؤں پر بحث کی ضرورت باقی ہے۔ اسلامی حوالے سے اگر کچھ اہل علم اس موضوع پر مزید دادِ تحقیق دینا چاہیں تو اس کیلئے محدث کے صفحات حاضر ہیں۔ (حسن مدنی)

☆ محدث ایک علمی تحریک ہے، اس کے دائرہ اثر پھیلانے میں اپنا کردار ادا کریں، یہ آپ کا دینی فریضہ بھی ہے!!
☆ محدث کی ایجنسی میں دلچسپی رکھنے والے حضرات دفتر سے پہلی فرصت میں رابطہ کریں..... معقول کمیشن دی جائے گی۔
☆ ادارہ سے خط و کتابت کرتے ہوئے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں..... اپنے واجبات کی ادائیگی فوری فرمائیے! (منیجر)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرمیوں کی چھٹیوں میں طالبات کیلئے

سمر کیمپ 99

اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام

فہم دین کورس

3 ماہ میں

- ترجمہ قرآن کریم
- حدیث وسیرت
- عربی گرامر
- تجوید قرآن
- کمپیوٹر ٹریننگ
- پینٹنگ
- بیکنگ / ککنگ

اسلام میں خواتین کے حقوق

- ماہر پروفیسرز سے حالاتِ حاضرہ پر لیکچرز
- قابل ترین خواتین اساتذہ اور خواتین سٹاف
- علیحدہ باپردہ ماحول / پک اینڈ ڈراپ کی سہولت
- ایئر کنڈیشنڈ اور جدید سہولیات سے مزین
- وسیع اور جدید کمپیوٹر لیب
- حفظِ قرآن اور ناظرہ کی مستقل کلاسیں
- روزانہ صبح 7 تا 12 بجے کلاسز

کلاسیں ۱۰ جون ۹۹ء سے شروع — بنیادی اہلیت : میٹرک

اسلامک انسٹیٹیوٹ

J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 5866476,5866396

یکم مئی سے داخلے جاری، اپنا داخلہ فوری کروائیے۔ اس سہ ماہی کورس میں درج شدہ تمام کورسز کروائے جائیں گے

طلبہ کیلئے: شام کے اوقات میں یہی کورس معمولی سے ردوبدل کے ساتھ طلبہ کیلئے بھی کرایا جا رہا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ سود (سپریم کورٹ، شریعت اپیلٹ بنچ) کے سلسلہ میں ادارۂ محدث

حافظ عبدالرحمٰن مدنی، معاون سپریم کورٹ کے وضاحتی مراسلات اور بیانات

سپریم کورٹ (شریعت اپیلٹ بنچ) میں زیر سماعت مشہور مقدمہ سود میں حافظ عبدالرحمٰن مدنی عدالت عظمیٰ کے معاون کی حیثیت سے پیش ہو رہے ہیں۔ آپ نے ۳ر مئی اور ۶ر مئی کے دو دن مکمل مذکورہ موضوع پر اپنی بحث پیش کی لیکن بعض اخبارات کے نمائندوں کی غفلت یا کم علمی کی وجہ سے رپورٹ نہ صرف خلط ملط ہوئی بلکہ موقف کچھ کا کچھ بن گیا۔ حافظ صاحب موصوف نے اسلام آباد سے ان خبروں کا نوٹس لیتے ہوئے دو مراسلات اور اپنا وضاحتی بیان دفتر محدث کے ذریعے روزنامہ اخبارات کے نام جاری کیا جو شاید اخبارات نے اپنے بعض صحافتی مصالح کی بنا پر تفصیل سے شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا ہم ادارۂ محدث کی طرف سے اخباروں کے مدیران کے نام دونوں مراسلات اور وضاحتی بیان شائع کر رہے ہیں..... (حسن مدنی)

مکرمی جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب چیف ایڈیٹر روزنامہ جنگ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مؤقر روزنامہ جنگ کا ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جو مقام ہے وہ وضاحت کا محتاج نہیں، اس لیے ملک وملت کو درپیش مسائل کے بارے میں اس کی خبریں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ میں سپریم کورٹ (شریعت اپیلٹ بنچ) کا عدالتی معاون ہوں اور اس مشہور کیس میں عدالت عظمیٰ کے روبرو اپنے دلائل اور موقف پیش کر رہا ہوں۔ روزنامہ جنگ میں آج (۷ر مئی ۹۹ء) شائع ہونے والی خبر کے حوالے سے آپ سے مخاطب ہوں۔ اور سپریم کورٹ (شریعت بنچ) میں زیر سماعت مشہور "سود کیس" کے بارے میں روزنامہ پاکستان، اسلام آباد کی آج کی خبر (بھی) آپ کو بھیج رہا ہوں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ (روزنامہ جنگ کا) متعلقہ رپورٹر کس غفلت اور لاپرواہی کا شکار ہے۔

بالخصوص اس کیس کے بارے میں مؤرخہ ۴ مئی کے روزنامہ جنگ میں جو رپورٹ شائع ہوئی وہ تو حقائق کے بھی منافی تھی۔ اس میں "میری طرف یہ بات منسوب کی گئی کہ جس اقدام کے بارے میں واضح احکامات نہ ہوں تو ملک کے مروجہ قانون پر عمل ہونا چاہیے" یہ چونکہ نہ صرف میرے اس عدالتی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کے منافی ہے بلکہ مجھ پر ایک تہمت بھی ہے جس میں، میں نے حضرت یوسفؑ کے اس واقعہ سے جس میں انھوں نے اپنے بھائی بنیامین کو حاصل کرنے کیلئے ملکی قانون کی بجائے حضرت یعقوب علیہ السلام کے علاقہ میں مروّجہ قانون کا سہارا لیا تھا، استدلال کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا قانون، ابراہیمی شریعت تھی لہٰذا حضرت یوسفؑ نے اپنے بادشاہ کے قانون کی بجائے ربانی شریعت سے استفادہ کیا۔ یہ بات شریعت کیلئے زبردست تائید بنتی ہے لیکن اس کے برعکس مجھے شریعت کا مخالف قرار دے دیا گیا اور مروّجہ قانون کا حامی دکھایا گیا۔

میں آپ سے اُمید رکھتا ہوں کہ آپ نہ صرف ۴؍مئی کی رپورٹ کی تصحیح فرمائیں گے بلکہ ۷؍مئی ۹۹ء کی رپورٹ بھی تفصیل سے دیں گے، خواہ اسے آج کی سپریم کورٹ کی کاروائی جو کل ۸؍مئی کو شائع ہوگی، کا ہی حصہ بنادیں۔

میں اس تصحیح پر آپ کا شکر گزار ہوں گا..... والسلام!

نیاز مند

حافظ عبدالرحمٰن مدنی از اسلام آباد، ۷ مئی ۹۹ء

D.G. انسٹیٹیوٹ آف ہائر سٹڈیز (شریعت وقضاء)

..... (۲) .....

محترم جناب مجید نظامی صاحب چیف ایڈیٹر روزنامہ "نوائے وقت"، لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گذارش ہے کہ میں سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) کا عدالتی معاون ہوں اور مشہور سود کیس میں عدالت عظمیٰ کے روبرو اپنے دلائل اور موقف پیش کر رہا ہوں۔ آج (۷؍مئی ۹۹ء) کے نوائے وقت، لاہور میں صفحہ ۳ پر اس کیس کی مطبوعہ رپورٹنگ پڑھ کر ضروری سمجھا کہ چند باتوں کی طرف آپ کو توجہ دلاؤں.....

نوائے وقت نے جو سرخی اور سرخی سے متعلقہ خبر کا حصہ شائع کیا ہے، اس کا گذشتہ روز فاضل اراکین بنچ میں سے کسی نے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ پھر بھی اس بے پر کی بات کو خاص طور سے نمایاں کیا گیا جس سے قارئین میں مایوسی پھیلی۔ اسی طرح خبر میں مثبت امور کی رپورٹنگ کے بجائے منفی تاثر کو زیادہ اُچھالا گیا ہے، جبکہ عدالتِ عظمیٰ میں ایسا ماحول اور تاثر بھی پیدا نہیں ہوا۔

علاوہ ازیں خبر کے متن میں بھی جابجا تضادات موجود ہیں، عین ممکن ہے کہ رپورٹر کی ان علمی مسائل تک ذہنی رسائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ مثبت باتوں کی تو درست رپورٹنگ نہ کرسکے ہوں اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادھر ادھر کی باتوں کو انہوں نے خبر میں شامل کر دیا۔ نوائے وقت ایسے مؤقر جریدے میں جو قومی صحافت میں اسلام پسند اور محبِ وطن عناصر کے لئے اُمید کی واحد کرن ہے، اس اہم ترین قانونی مسئلہ پر رپورٹنگ میں جو تضادات دکھائی دے رہے ہیں، ان سے جہاں میری علمی ساکھ متاثر ہوئی ہے وہاں محبِ اسلام طبقوں میں بھی اس کیس کے حوالے سے تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔

یہ بھی وضاحت ہو جائے کہ یہ خبر محترم محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ کے حوالہ سے جس تردیدی واقعہ کے گرد گھومتی ہے، افسوس کہ عدالت میں تو ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا بلکہ عدالتی کاروائی کی تکمیل کے بعد بعض حضرات نے آپ کے رپورٹر کو اضافی بریفنگ دیتے ہوئے بعض علمی نکات کی وضاحت کی جو کسی بھی طرح خبر میں پیش کردہ منہ در منہ تردید کے سیاق میں نہیں آتے۔ اس پر طرہ یہ کہ رپورٹر صاحب اس کو سمجھنے میں بھی غلطی کا شکار ہوگئے۔ محترم قریشی صاحب میرے بہت قریبی دوست ہیں اور اُن کی یہ وضاحتی بریفنگ بھی میرے موقف کی تائید کرتی ہے۔ جس کو قدرے مکمل انداز میں روزنامہ پاکستان نے رپورٹ کیا ہے۔

جناب اسمٰعیل قریشی کے حوالہ سے جو روایت، "مصنف عبدالرزاق" سے پیش کی گئی ہے وہ بھی میرے اس موقف کی تائید کرتی ہے نہ کہ مخالفت۔

بات کو لمبا کرنے کی بجائے میں آپ کو روزنامہ پاکستان کی مکمل رپورٹنگ بھی ارسال کر رہا ہوں جس میں عدالتی کاروائی کی اچھی تفصیلات آگئی ہیں۔ آپ کی علم دوستی اور مجھ سے تعلق خاطر ہونے کے ناطے یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ اپنے موقر روزنامہ میں اس کی تصحیح فرمائیں گے۔ اور آئندہ سے اس کیس کی رپورٹنگ میں بھی خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

میں اس تعاون پر صمیم قلب سے آپ کا شکر گزار ہوں..... والسلام

حافظ عبدالرحمٰن مدنی (ڈائریکٹر جنرل انسٹیٹیوٹ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ 'محدث')

..... (۳) .....

اگلے روز دفتر نوائے وقت لاہور سے رابطہ کرنے پر صرف وضاحتی نوٹ بھیجنے کو کہا گیا جو حسب ذیل الفاظ میں بھیجا گیا لیکن نوائے وقت نے اِسے چند الفاظ کی صورت میں ہی تردید کی صورت میں شائع کرنے پر اکتفا کیا (۱۰ر مئی، ص ۱۰ پر)

حافظ عبدالرحمٰن مدنی کا وضاحتی بیان

سپریم کورٹ (شریعت اپیلیٹ بنچ) میں زیر سماعت مشہور سود کیس میں عدالت عظمیٰ کے معاون مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اپنے بیان کے سلسلے میں جو نوائے وقت میں شائع ہوا ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضاحت کی ہے کہ انہوں نے یہ قطعاً نہیں کہا اور نہ ان کا یہ موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ سود کی بعض شکلوں کو اپنی زندگی میں واضح نہ کر سکے کیونکہ اس سے اسلامی عقیدہ پر زبردست زد پڑتی ہے، لہٰذا ایسی گمراہ کن بات کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عدالتِ عظمیٰ کے روبرو پرزور دلائل سے یہ ثابت کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سود کی تمام قسموں کی تشریح اپنی زندگی میں ہی کر گئے تھے جیسا کہ خود نوائے وقت کی مذکورہ رپورٹ میں مدنی صاحب کی دلیل کے طور پر اس قرآنی آیت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے کہ "رسول کریم ﷺ کو تمام دین پہنچانے کا حکم تھا اور آپ نے مکمل دین پہنچا دیا۔" مولانا مدنی نے یہ وضاحت کی کہ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے ایک قول کے حوالے سے ان کے عدالت میں موقف پیش کرنے سے پہلے ہی زیر بحث تھا۔ وہ قول یوں ہے کہ: "ربا کی آیات رسول اللہ ﷺ کے آخری دور میں نازل ہوئیں۔ اس لیے رسول کریم نے سود کی زیادہ تفصیلات پیش نہ فرمائیں لہٰذا سود کے علاوہ مشکوک باتوں سے بھی بچو" مدنی صاحب نے مسند احمد میں مروی حضرت عمرؓ کے اس قول کی یہ توجیہ پیش کی کہ اس سے مراد سود کے بعض نئے پیش آنے والے واقعات تھے۔ ان اشکالات سے نکلنے کے لیے حضرت عمرؓ احتیاط کی تلقین کر رہے ہیں، جب کہ رسول کریم تمام دین مکمل صورت میں اُمت کو پہنچا گئے تھے اگرچہ عدالتِ عظمیٰ میں کسی نے حضرت عمرؓ کے اس قول کے مخالف مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے کوئی حدیث پیش نہ کی تھی لیکن عدالتی کاروائی کے بعد بعض حضرات نے مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کا ایک قول اخباری نمائندوں کو تقسیم کیا جو اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے

حضرت عمرؓ کے زیر بحث قول کے بارے میں جو سند پر تنقید شائع ہوئی ہے وہ خود مدنی صاحب نے کی تھی کہ مشہور تابعی سعید بن مسیبؒ کی حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں ہوئی تاہم اس انقطاع کے باوجود انہوں نے اس قول کی سند اس بنا پر معتبر قرار دی کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ سعید بن مسیبؒ کی مرسل احادیث حجت ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس حدیث کا انکار کر دینے کی بجائے اس کی صحیح تعبیر سمجھی جائے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے سند کے بغیر متن کی تحقیق کے نظریے کی تردید کرتے ہوئے عدالتی کاروائی کی مثال بھی دی کہ جج اپنی اعلیٰ بصیرت اور بھرپور تجربے کے باوجود جس طرح گواہی کے بغیر کیس کا فیصلہ نہیں کر سکتا، اسی طرح احادیث کا متن بھی اسناد کے بغیر پرکھا نہیں جا سکتا۔ احادیث کا متن پرکھنے کا واحد ذریعہ بھی سند ہے۔ چونکہ یہ بات علمی اعتبار سے دقیق فنی بحث ہے، اس لیے رپورٹر اسے سمجھ نہیں سکا۔ اس وجہ سے اس وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی۔

جہاں تک سورۂ بقرہ کے بارے میں آیات کا تعلق ہے، اس کے بارے میں قرآن کی آخری اترنے والی آیتوں میں ان کے شامل ہونے سے اس لیے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسول کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس وغیرہ حجۃ الوداع ۱۰ ہجری یعنی رسول اکرمؐ کی وفات سے ۳ ماہ قبل تک سودی معاملوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ملوث رہے اور رسول کریم نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں پر ان کا سود معاف کر دیا۔ سورۂ بقرہ کی آیات کو قرآن کی آخری اترنے والی آیات میں شمار کرنے سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں وارد دیگر آیات سے سود کی حرمت بہت پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن شراب کی طرح یہ ماننا پڑے گا کہ سود کی حرمت کا معاملہ بھی تدریجی ہے۔ رسول کریم ﷺ ہجرت سے قبل اور ہجرت کے بعد برابر سود کی طرح طرح کی اقسام حرام دیتے رہے بالآخر آپ نے سود مفرد بھی حجۃ الوداع کے موقع پر حرام کر دیا اس طرح سود کی تمام قسمیں حرام قرار پائیں۔ اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ سود غزوہ احد ۳ ہجری سے قبل مکمل طور پر حرام ہو چکا تھا تو حضرت عباس وغیرہ کے معاملات کے علاوہ سن ۴ ہجری میں بنو نضیر سے رسول اکرم ﷺ کا معاملہ جس سے سود کی ایک مخصوص صورت کا جواز نکلتا ہے، معارضہ لازم آتا ہے۔

اسی طرح جن حضرات نے حضرت عمرؓ کے قول سے "ربا الفضل" (سونا، چاندی اور بنیادی غذائی اشیاء کا کمی بیشی سے اُدھار پر تبادلہ) مراد لیا ہے، مدنی صاحب نے اپنے اس بیان میں اس کی بھی تردید کی کیونکہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع سے کئی سال قبل غزوہ خیبر ہجری میں اسے بھی حرام قرار دے چکے تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حجۃ الوداع کے بعد سود کی کوئی ظاہری یا باطنی شکل مشکوک رہ گئی تھی، درست نہیں بلکہ یہی موقف صائب ہے کہ رسول کریمؐ اپنی زندگی میں سود کی تمام شکلیں صراحت سے حرام قرار دے چکے تھے۔ پھر ربا (سود) کوئی شرعی اصطلاح نہیں بلکہ عربی زبان میں بھی اس کا مفہوم واضح ہے، اس کے بارے میں کسی شک وشبہ کی شکار نہیں ہونا چاہیے۔ (سیکرٹری اسلامک ریسرچ کونسل، پاکستان)

حکومت خادم حرمین شریفین کے مرکزی وزیر برائے مذہبی اُمور شیخ عبد اللہ عبد المحسن الترکی کی جانب سے مدیر اعلیٰ محدث کو تعزیت پر جوابی مراسلہ

فضيلة الأخ الشيخ حافظ عبد الرحمٰن مدني مدير جامعة لاهور الإسلامية وأمين عام مجلس التحقيق السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

فقد تلقيت خطابكم المؤرخ في ٢٨/١/١٤٢٠هـ المتضمن تعزيتكم لي بوفاة مفتي عام المملكة سماحة الوالد العالم الجليل الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز — رحمه الله

وإذ أشكركم على ذلك، أسأل الله تعالى أن يتغمد الفقيد بواسع رحمته ورضوانه ويسكنه فيسح جناته وأن يجمعنا به في جنات النعيم، وإنا لله وإنا إليه راجعون، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

"ہمیں آپ کا ۲۸/ محرم ۱۴۲۰ھ کا مکتوب موصول ہوا جس میں سماحۃ الوالد شیخ ابن باز مفتی اعظم کی وفات پر آپ نے مجھ سے تعزیت کی ہے۔ اس پر میں آپ کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی وسیع آغوشِ رحمت میں لے، اپنی رضا سے سرفراز فرمائے، انہیں جنت کی وسعتوں میں جگہ دے اور روزِ قیامت اس نعمتوں والی جنت میں ہمیں اکٹھا فرمائے۔ آمین..... ان کی وفات پر ہم سب شدید غم واندوہ سے دوچار ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون!"

عبد الله عبد المحسن التركي — وزير الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

CPL No. 177 Ph: 5866476
Vol. 31 5866396

Monthly **MUHADDIS** Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں..... لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں..... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے..... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے..... لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے..... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

..... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی شمارہ : ۱۵ روپے زرِ سالانہ : ۱۵۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL: 99-J, Model Town, Lahore 54700

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ